وحدت امت کا داعی اور غلبہ اسلام کا علم بردار

ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ

جلد۱۹ ۔ شمارہ نمبر۶ ۔ جون ۲۰۰۸

—— بیاد ——
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ

—— زیر سرپرستی ——
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

—— رئیس التحریر ——
ابوعمار زاہد الراشدی

—— مدیر ——
محمد عمار خان ناصر

—— مجلس مشاورت ——
پروفیسر غلام رسول عدیم
پروفیسر میاں انعام الرحمٰن
پروفیسر محمد اکرم ورک
مولانا حافظ محمد یوسف
چودھری محمد یوسف ایڈووکیٹ
شبیر احمد خان میواتی

—— انتظامیہ ——
ناصر الدین عامر / عبدالرزاق
حافظ محمد سلمان / حافظ محمد طاہر

جلد۱۹ ۔ شمارہ نمبر۶ ۔ جون ۲۰۰۸

کلمہ حق		
مسلمانوں کے اختلافات: ایک نومسلم کے تاثرات	رئیس التحریر	۲
حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کا انتقال		
آرا و افکار		
زنا بالجبر کی سزا	محمد عمار خان ناصر	۶
دینی و دنیوی طبقات کے مابین دوری: اسباب وعلاج	حافظ عبدالرشید	۱۳
مباحثہ ومکالمہ		
غامدی صاحب کا ''تصور سنت''	ابوعمار زاہد الراشدی	۱۷
حلال وحرام اور غامدی صاحب کا تصور فطرت	حافظ محمد زبیر	۲۳
مکاتیب	۔	۳۷
اخبار و آثار		
مولانا زاہد الراشدی کا دورۂ برطانیہ / ورلڈ اسلامک فورم کا سالانہ اجلاس / تین وقت نماز کی اجازت کا فتویٰ / الشریعہ اکادمی میں فکری نشست		

زر تعاون	خط وکتابت کے لیے	زیر اہتمام	ذیلی دفتر
سالانہ 150 روپے	ماہنامہ الشریعہ	الشریعہ اکادمی	جامع مسجد شیرانوالہ باغ
بیرون ملک 20$	پوسٹ بکس 331	ہاشمی کالونی کنگنی والا گوجرانوالہ	گوجرانوالہ
	گوجرانوالہ	055-4000394	055-4219663

ناشر: حافظ محمد عبدالمتین خان زاہد ۔ طابع: مسعود اختر پرنٹرز، میکلوڈ روڈ، لاہور

''علاقائی اور ثقافتی رسمیں اگر دین کا حصہ نہ سمجھی جائیں اور انھیں ثواب کے ارادے سے انجام دینے کے بجائے محض خوشی کی علاقائی اور ثقافتی رسم کے طور پر کیا جائے تو اس پر شریعت کے منافی ہونے کا فتویٰ لگا دینا اور غیظ وغضب کا اظہار کرنا مناسب بات نہیں ہے۔ کسی چیز کا شریعت سے ثابت نہ ہونا اور بات ہے اور شریعت کے منافی ہونا اس سے مختلف امر ہے اور ہمیں ان دونوں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔'' [کلمہ حق]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور ایک نومسلم کے تاثرات

برطانیہ کے حالیہ سفر کے دوران مجھے دو روز اسکاٹ لینڈ کے دارالحکومت ایڈنبرا کے قریب ایک بستی ''ڈنز'' میں اپنے بھانجے ڈاکٹر سبیل رضوان کے ہاں گزارنے کا موقع ملا۔ رضوان کو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ دنوں تیسری بچی دی ہے اور ۸/اپریل کو اس کی بڑی بچی کی سالگرہ تھی۔ رضوان نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے پوچھا کہ اس کی اہلیہ کہہ رہی ہے کہ اگر ہم بچی کی سالگرہ پر کیک کاٹ لیں تو ماموں ناراض تو نہیں ہوں گے؟ میں نے کہا کہ نہیں بیٹا، ناراضگی کی کون سی بات ہے۔ اصل میں اس کا یہ خیال تھا کہ ایک غیر شرعی رسم ہونے کی وجہ سے میں اس پر غصے کا اظہار کروں گا جبکہ ایسے معاملات میں میرا موقف اور طرز عمل یہ ہے کہ اس قسم کی علاقائی اور ثقافتی رسمیں اگر دین کا حصہ نہ سمجھی جائیں اور انھیں ثواب کے ارادے سے انجام دینے کے بجائے محض خوشی کی علاقائی اور ثقافتی رسم کے طور پر کیا جائے تو اس پر شریعت کے منافی ہونے کا فتویٰ لگا دینا اور غیظ و غضب کا اظہار کرنا مناسب بات نہیں ہے۔ میری طالب علمانہ رائے میں کسی چیز کا غیر شرعی (یعنی شریعت سے ثابت نہ) ہونا اور بات ہے اور شریعت کے منافی ہونا اس سے مختلف امر ہے اور ہمیں ان دونوں کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

رضوان فیملی کی خوشی میں شامل ہونے کے ساتھ ایک فائدہ اور بھی ہوا کہ شام کو ایک نومسلم مورس سے ملاقات ہو گئی۔ مورس نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات و احساسات کا بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ اظہار کیا جس کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

مورس نے اسلام اور قرآن مجید کے ساتھ اپنے تعارف کے پس منظر کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد کہا کہ ایک دن میں نیوکاسل میں اپنے گھر میں تھا کہ صبح بیدار ہوتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے میں گھر سے باہر جا رہا ہوں اور قریب ہی ایک مسجد میں چلا گیا۔ اس سے قبل میں یہاں کسی مسلمان سے نہیں ملا تھا۔ میں نے ان کو بتایا تو انھوں نے مجھے کلمہ شہادت پڑھایا اور میرا نام تبدیل کر کے مورس بڈن کی بجائے مورس مجید رکھ دیا۔ اس کے بعد تبلیغی جماعت والوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ انھوں نے مجھے دوبارہ کلمہ پڑھایا اور نام مورس عبدالمجید رکھ دیا۔ پھر میرا کچھ عرصہ ان سے تعلق رہا۔ ان کے ساتھ مختلف مقامات پر جاتا رہا اور نیوکاسل میں کتابوں کی ایک دکان ''بیت الحکمۃ'' کے نام سے میں نے کھول لی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''بیت الحکمۃ'' کا نام یہاں کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا، اس لیے اس کا نام ''House of Wisdom'' رکھا جائے مگر انھوں نے میری بات نہیں مانی اور میں ''بیت الحکمۃ'' کے نام سے کچھ عرصہ دکان کرتا رہا۔ پھر میں نے یہ سوچ کر نیوکاسل کو چھوڑ دیا کہ یہاں مسلمان کم ہیں اور مسلمانوں والا ماحول نہیں ہے۔ میں بیوی بچوں سمیت بلیک برن چلا گیا، اس لیے کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی بہت

ہے، مسجدیں اور مدرسے بہت ہیں اور اسلامی ماحول موجود ہے، اس سے بچوں کی تعلیم بھی اچھی ہوگی، مگر یہ تجربہ بہت تلخ ثابت ہوا۔ میرا خیال تھا کہ دینی معلومات میں اضافہ ہوگا، ماحول اور تربیت کا فائدہ ہوگا، مگر لوگوں نے مجھے چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھا دیا۔ مختلف گروہ تھے، ہر ایک مجھے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ کوئی کہتا نماز میں پاؤں یوں رکھو، دوسرا کہتا یوں نہیں بلکہ اس طرح رکھو۔ کوئی کہتا ہاتھ اس جگہ باندھو، دوسرا کہتا کہ یہاں نہیں بلکہ یہاں باندھو۔ کوئی کہتا کہ شہادت کی انگلی ایک بار اٹھاؤ، دوسرا کہتا کہ نہیں بار بار اٹھاتے رہو۔ ہر ایک کی کوشش ہوتی کہ میں اسی کے کہنے پر چلوں، کسی دوسرے کی بات مانتا تو وہ ناراض ہو جاتا۔ میرے مزاج میں تجسس تھا اور سوالات بہت کرتا تھا۔ ہر شخص اپنی بات کی دلیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نہ کوئی حدیث سنا دیتا۔ حدیثوں میں اس قدر تضاد دیکھ کر مجھے ان سے نفرت ہونے لگی۔ میں لوگوں سے کہتا کہ مجھے قرآن سے سمجھاؤ۔ وہ کہتے کہ قرآن کریم اس وقت تک تم نہیں سمجھ سکتے جب تک حدیث نہ پڑھو اور حدیث پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی سیکھو اور کئی سال مدرسے میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کرو۔ مجھے سخت پریشانی ہونے لگی۔ میرے سوالات کی کثرت دیکھ کر وہ لوگ مجھے گمراہ اور کافر کہنے لگے۔ ہر گروہ مجھے اپنی کتابیں دیتا اور حدیثیں سناتا۔ مجھے ان میں واضح تضاد دکھائی دیتا، چنانچہ سخت پریشانی کی حالت میں بلیک برن کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور میں نے طے کر لیا کہ اب ایسی جگہ جا کر رہوں گا جہاں مسلمانوں کی آبادی نہ ہو اور پھر اسکاٹ لینڈ کے اس علاقے میں آ کر آباد ہو گیا۔

موریس نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ وہ کسی مسلمان کی دعوت پر مسلمان نہیں ہوا اور نہ ہی کسی مسلمان کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا ہے، بلکہ وہ صرف اور صرف قرآن کریم کے مطالعہ سے مسلمان ہوا ہے بلکہ وہ دوسرے جن نومسلموں کو جانتا ہے، ان میں سے کوئی بھی کسی مسلمان کی دعوت پر یا اس سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوا بلکہ سب کے سب قرآن کریم پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں، البتہ مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں نے ان نومسلموں کو الجھایا ضرور ہے۔ وہ انھیں پکا مسلمان بنانے اور اسلام کی بنیادی باتوں کی تعلیم دینے کے بجائے پہلے حنفی، شافعی، دیوبندی، بریلوی، تبلیغی اور شیعہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے وہ سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے پر کوئی مسلمان اس سے یہ تو نہیں پوچھتا کہ تمھیں مسلمان ہونے کے بعد کیا پریشانی لاحق ہوئی ہے؟ اپنے خاندان کے ساتھ تمہارے تعلقات کا کیا حال ہے؟ تمہیں کوئی مالی پریشانی تو نہیں ہے؟ کسی معاشرتی الجھن سے تو تم دوچار نہیں ہوئے ہو؟ اور تمھیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت تو نہیں ہے؟ کسی نومسلم سے یہ بات کوئی نہیں پوچھتا، البتہ ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس کے فرقے میں شامل ہو جائے، کسی دوسرے فرقے کی بات نہ سنے اور کسی اور کی مسجد میں نہ جائے۔ مجھے خود اس کا تلخ تجربہ ہوا ہے، اس لیے میں نے سب کو چھوڑ دیا ہے۔

اس نے کہا کہ مجھے ایک بات سے اور پریشانی ہے کہ مسلمانوں میں عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ ان کے سارے مسئلے خدا نے ہی حل کرنے ہیں، اس لیے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے قدرت کے کسی معجزے کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور پچھلے واقعات سنا سنا کر خوش ہوتے رہتے ہیں کہ فلاں فلاں موقع پر خدا نے اس طرح ان کی مدد کی تھی۔ اسی طرح بہت سے مسلمان اس انتظار میں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے اور دجال ظاہر ہوگا تو اس وقت سب کچھ ہوگا۔ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ انھیں اپنی حالت بہتر بنانے کے لیے خود کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ اس طرح انتظار میں بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ انھیں اپنے حالات درست کرنے کے لیے محنت کرنی چاہیے اور خود بھی کچھ کرنا چاہیے۔

موریس نے کہا کہ ایک اور بات پریشانی کی وجہ بنتی ہے کہ نومسلم کو اسلامی احکام و فرائض کے ساتھ ساتھ بعض لوگ

اپنے اپنے علاقائی کلچر کا بھی پابند بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ لباس بھی ان جیسا پہنے اور وضع قطع بھی انھی کی اختیار کرے۔ اس پر اس قدر سختی کی جاتی ہے کہ وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ جو باتیں اسلام میں ضروری نہیں ہیں، ان کے بارے میں نومسلموں پر اس قدر سختی نہ کی جائے اور انھیں سادہ طریقہ سے اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ مورس نے بتایا کہ وہ ایک موقع پر مسلمانوں کی اس عمومی حالت سے پریشان ہو کر یونیورسٹی کی مسجد میں گیا کہ وہاں قدرے پڑھا لکھا ماحول ہوگا، مگر وہاں بھی صورت حال اسی طرح تھی۔ شیعہ حضرات اپنی نماز کے لیے مٹی کی ٹھیکریاں سجدے کی جگہ رکھنے کے لیے الگ نظر آتے اور دوسرے فرقوں کے لوگ اپنی اپنی علامتوں کے ساتھ الگ دکھائی دیتے تھے۔ اس نے تبلیغی جماعت کے ساتھ کئی بار وقت لگایا جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اسے دین کی معلومات حاصل ہوں گی اور علم میں اضافہ ہوگا، مگر وہاں بھی اسے تبلیغی نصاب اور کچن کی صفائی کے کاموں کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اس نے قرآن کریم کا سالہا سال تک مطالعہ کیا تھا۔ اس کے حوالے سے جب وہ کوئی سوال کرتا تو اسے جواب ملتا کہ تم قرآن کریم کو کیا جانتے ہو؟ تمہارے پاس کیا علم ہے؟ اس سے اس کی مایوسی میں اضافہ ہوا۔ مجھے ایک بار ایک دوست ایک مجلس میں لے گیا۔ غریب لوگوں کا علاقہ تھا، مگر ایک بڑی گاڑی میں سبز چغہ پہنے ایک شیخ صاحب آئے تو ان کے گرد گلی میں بہت سے لوگ گھیرا ڈال کر بلند آواز سے اللہ ہو کا ورد کرنے لگے۔ ارد گرد کے مقامی آبادی کے لوگ کھڑکیوں سے یہ منظر دیکھ کر تعجب کر رہے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں بھی یہ منظر دیکھ کر وہاں سے چلا آیا۔ ایک مسجد میں رمضان المبارک کے دوران دیکھا کہ کھانے پینے کا سامان بہت ضائع ہو رہا ہے اور کھانے کا انداز بھی مجھے اچھا نہ لگا۔ اس قسم کے مناظر دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ جس اسلام کی میں تلاش میں تھا، یہ وہ اسلام نہیں ہے، اس لیے میں اب مسلمانوں کی آبادی سے الگ تھلگ یہاں زندگی بسر کر رہا ہوں۔

میں نے مورس سے سوال کیا کہ اسلام کی دعوت دینے والوں کو نومسلموں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟ اس پر مورس عبد اللہ نے کہا کہ:

o انھیں مسائل اور اختلافات میں نہ الجھائیں اور دین کی بنیادی باتوں کی سادہ انداز میں تعلیم دیں۔

o انسانیت کے حوالے سے لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونے کی تلقین کریں۔

o اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے ساتھ پیش آنے والے مسائل اور مشکلات معلوم کریں اور انھیں حل کرنے کے لیے ان سے تعاون کریں۔

o انھیں قرآن کریم کے حوالے سے بات سمجھانے کی کوشش کریں اور احادیث کے اختلافات سے انھیں دور رکھیں۔ اس سے ان کے ذہنوں میں کنفیوژن پیدا ہوتا ہے۔

o دین کے مسائل سمجھانے کے لیے ''کامن سینس'' کا زیادہ استعمال کریں۔ مثلاً یہ بات سمجھانے کے لیے کہ مونچھیں تراشنی چاہییں، انھیں فرض اور واجب کہہ کر بات نہ کریں بلکہ انھیں اس کے فائدے بتائیں کہ مونچھے تراشنے سے انھیں یہ فائدہ ہوگا، وغیر ذالک۔

o انسانی ہمدردی کی بنیاد پر عام لوگوں کی خدمت کا ایسا نظام بنائیں جس سے سب لوگ مذہب کی کسی تفریق کے بغیر فائدہ اٹھا سکیں تاکہ نومسلموں کو ضرورت پڑنے پر الگ سے چیریٹی کی ضرورت نہ پڑے اور نہ یہ محسوس ہو کہ ان کی الگ سے اس حوالے سے مدد کی جا رہی ہے۔

o اسلام کے بارے میں ان کے مطالعہ اور اسٹڈی کا احترام کریں اور انھیں اس بات کا بار بار طعنہ نہ دیں کہ تم کیا

جانتے ہو؟ تمھیں کیا آتا ہے؟ اور تمھارے پاس کیا علم ہے؟

o انھیں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اچھے کاموں کو بجالانے کی تلقین کریں، دیانت وامانت کی اہمیت سے آگاہ کریں اور خیر کے کاموں کی طرف رغبت دلائیں۔

مورس عبداللہ کی گفتگو جاری تھی اور اس کے لہجے کا جوش وخروش بڑھ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی خاموشی سے آسمان کی طرف سر اٹھا کر گہری سوچ میں چلا جاتا۔ اس کا جی اور بھی بہت سی باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا، مگر رات کا وقت تھا، دیر ہو رہی تھی، مجھے صبح سفر کرنا تھا اور اس سے قبل یہ رپورٹ بھی لکھنا تھی، اس لیے بادل نخواستہ گفتگو کا سلسلہ روک کر معذرت کرتے ہوئے شکریہ کے ساتھ ہم وہاں سے رات گیارہ بجے کے لگ بھگ رخصت ہوئے۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کا انتقال

۲۷/اپریل کو ہم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی نوراللہ مرقدہ کی یاد میں تعزیتی جلسہ کی تیاریوں میں تھے کہ یہ اطلاع ملی کہ دارالعلوم دیوبند (وقف) کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد انظر شاہؒ کا دہلی میں انتقال ہو گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کے ساتھ ملاقاتوں اور نیازمندی کا سلسلہ پرانا تھا اور مختلف مجالس اور پروگراموں میں ان کے ساتھ رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے۔ گوجرانوالہ میں مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامعہ قاسمیہ میں متعدد بار تشریف لائے، جامعہ خیر المدارس ملتان اور کراچی کے بعض اجتماعات میں بھی ان سے ملاقات ہوئی اور چند سال قبل ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کے نواحی علاقہ مادھو پور میں حضرت مولانا عبدالحمید صاحب کے دینی مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں بھی ان کے ساتھ رفاقت رہی۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور ان کے خاندان کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تعلق اس حوالے سے شروع سے تھا کہ میں بحمداللہ تعالیٰ ایک شعوری دیوبندی ہوں اور دیوبند کے جن اکابر کے ساتھ نسبت وعقیدت سے ''دیوبندیت'' تشکیل پاتی ہے، ان میں ایک بڑا نام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کا بھی ہے۔ اس تناظر میں حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی تو میں اس سے حظ اٹھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا، مگر گزشتہ چند ماہ سے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ فون کا تعلق مسلسل رہا۔ میری بدقسمتی کہ وعدہ کے باوجود میں ایک بار بھی خود انھیں فون نہ کر سکا، مگر انھوں نے کئی بار فون کیا، بلکہ ان کے فرزند سید احمد خضر صاحب نے بتایا کہ حضرت شاہ صاحب اپنی وفات سے دو روز قبل بھی فون پر راقم الحروف سے رابطہ کی کوشش کرتے رہے، مگر بات نہ ہو سکی تو انھوں نے احمد خضر صاحب کو تاکید کی کہ وہ فون پر رابطہ کر کے ان کی طرف سے حضرت والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کے لیے بطور خاص عرض کریں۔ ایک بار دریافت کیا کہ میں روحانی سلسلہ میں کس سے مجاز ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ اپنے ذوق کے حوالے سے اس میدان کا آدمی نہیں ہوں مگر میرا بیعت کا تعلق سلسلہ قادریہ میں حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ سے رہا ہے اور والد محترم حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نے سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے خلفاے مجازین میں میرا نام لکھ رکھا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انظر شاہؒ نے فرمایا کہ میں بھی آپ کو اپنے مجازین میں شامل کرتا ہوں اور اپنی اسناد کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت بھی دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین درجات سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔

محمد عمار خان ناصر

زنا بالجبر کی سزا

[مصنف کی زیر طبع کتاب ''حدود وتعزیرات: چند اہم مباحث'' کا ایک باب]

قرآن مجید میں زنا کی سزا بیان کرتے ہوئے زانی اور زانیہ، دونوں کو سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ قرآن کے پیش نظر اصلاً زنا بالرضا کی سزا بیان کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سزا کا اطلاق زنا بالجبر بھی ہوگا، لیکن چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ زنا بالرضا سے زیادہ سنگین جرم ہے، اس لیے زنا کی عام سزا کے ساتھ کسی تعزیری سزا کا اضافہ، جو جرم کی نوعیت کے لحاظ سے موت بھی ہو سکتی ہے، ہر لحاظ سے قانون وشریعت کا منشا تصور کیا جائے گا۔ اس ضمن میں کوئی متعین سزا تو قرآن وسنت کے نصوص میں بیان نہیں ہوئی، البتہ روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فیصلے ضرور نقل ہوئے ہیں:

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نماز کے لیے مسجد جاتی ہوئی ایک خاتون کو راستے میں تنہا پا کر اسے پکڑ لیا اور زبردستی اس کے ساتھ بدکاری کر کے بھاگ گیا، لیکن جب اس کے شبہے میں ایک دوسرے شخص کو پکڑ لیا گیا اور اس پر سزا نافذ کی جانے لگی تو اصل مجرم نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ [1]

اس واقعے سے متعلق روایات میں اس شخص کے شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہونے کی تحقیق کیے جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر یہ شخص کنوارا تھا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ازدواجی حیثیت کی تحقیق کی سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں کی تو پھر اس سے یہ آسانی اخذ کی جا سکتی ہے کہ زنا بالجبر کی سزا رضامندی کے سزا کے مقابلے میں زیادہ سخت ہونی چاہیے۔

ایک دوسرے مقدمے میں، جس میں ایک شخص نے اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کر لیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر اس میں لونڈی کی رضامندی شامل نہیں تھی تو پھر وہ آزاد ہے اور شوہر کے ذمے لازم ہے کہ وہ اس جیسی کوئی دوسری لونڈی اپنی بیوی کے حوالے کرے۔ [2]

یہاں زنا کے مرتکب کے لیے کسی سزا کا ذکر نہیں ہوا۔ ممکن ہے اس شخص کو کوئی سزا دی گئی ہو، لیکن روایت میں اس کا ذکر نہ ہوا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کی لونڈی کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ وطی کی ہو اور اس طرح حرمت محل میں شبہے کی بنیاد پر اسے سزا سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہو۔

---

[1] ابوداؤد، رقم ۴۳۷۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۴۔

[2] نسائی، رقم ۳۳۱۰۔ ابوداؤد، رقم ۳۸۶۸۔

صحابہ اور تابعین سے زنا بالجبر کے بعض واقعات میں زنا کی عام سزا دینا منقول ہے۔[۳] ان واقعات میں زنا بالجبر کا شکار ہونے والی زیادہ تر لونڈیاں تھیں۔ عرب معاشرت میں غلام اور لونڈیاں نہ صرف اخلاقی تربیت سے محروم ہوتے تھے بلکہ ان میں زنا اور چوری جیسی اخلاقی برائیوں کا پایا جانا ایک عام بات تھی، چنانچہ لونڈیوں کے ہاں عفت وعصمت کا تصور ایسا پختہ نہیں تھا کہ اس کے چھن جانے پر وہ محرومی یا ہتک عزت کے کسی شدید احساس کا شکار ہو جائیں۔ اس تناظر میں لونڈیوں کے ساتھ بالجبر زنا پر اگر کوئی سخت تر سزا نہیں دی گئی تو یہ بات قابل فہم ہے۔

سیدنا ابوبکر نے ایک مقدمے میں زنا بالجبر کے مجرم کو پابند کیا کہ وہ اس خاتون کے ساتھ نکاح کر لے[۴] جبکہ عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصری نے زنا بالجبر کی سزا یہ تجویز کی کہ مجرم پر حد جاری کرنے کے ساتھ ساتھ اسے غلام بنا کر اسی عورت کی ملکیت میں دے دیا جس کے ساتھ اس نے زیادتی کی تھی۔[۵]

تابعی مفسر سدی کی رائے یہ تھی کہ اگر خاتون کا باقاعدہ پیچھا کر کے اس کے ساتھ بالجبر زنا کیا جائے تو مجرم کو لازماً قتل کیا جائے گا۔ سدی نے اس کے لیے سورۂ احزاب میں منافقین کے حوالے سے بیان ہونے والے حکم: 'اینما ثقفوا اخذوا و قتلوا تقتیلا' سے استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

هذا حكم في القران ليس يعمل به لو ان رجلا وما فوقه اقتصوا اثر امراة فغلبوها على نفسها ففجروا بها كان الحكم فيها غير الجلد والرجم وهو ان يؤخذوا فتضرب اعناقهم (روح المعانی، ۹۲/۲۲)

''قرآن مجید میں ایک ایسا حکم ہے جس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی شخص یا کچھ افراد کسی عورت کا پیچھا کریں اور اس کو زبردستی پکڑ کر اس کے ساتھ بدکاری کریں تو ان کی سزا اسے کوڑے لگانا یا رجم کرنا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انھیں پکڑ کر ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔''

امام باقر اور امام جعفر صادق بھی زنا بالجبر کے مجرم کو قتل کر دینے کے قائل ہیں۔[۶]

جہاں تک باقی فقہی مکاتب فکر کا تعلق ہے تو فقہا اس کو زنا بالرضا کے مقابلے میں سنگین تر جنایت تسلیم کرنے کے باوجود بالعموم اس کے مرتکب کے لیے زنا کی عام سزا ہی تجویز کرتے یا زیادہ سے زیادہ زیادتی کا شکار ہونے والی عورت کو اس کے مہر کے برابر رقم کا حق دار قرار دیتے ہیں، جبکہ احناف اس کو اس رقم کا مستحق بھی نہیں سمجھتے۔[۷] امام مالک سے منقول ہے کہ اس صورت میں عورت کو مہر کے علاوہ عزت و ناموس اور حیثیت عرفی کے مجروح ہونے کا تاوان بھی دلوایا جائے گا۔[۸]

---

[۳] موطا امام مالک، رقم ۱۳۰۰، ۱۳۰۲۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۴۲۱ تا ۲۸۴۲۷۔

[۴] مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۲۷۹۶۔

[۵] مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۴۲۳، ۲۸۴۲۶۔

[۶] طوسی، تہذیب الاحکام، ۱۰/۱۷، ۱۸۔

[۷] الموطا، رقم ۲۲۹۴۔ الشافعی، الام ۲۷۲/۳۔ سرخسی، المبسوط ۶۱/۹، ۶۲۔

[۸] المدونۃ الکبریٰ، ۲۵۴/۱۶۔

ہماری رائے میں یہ بات بعض صورتوں میں تو شاید نامناسب نہ ہو، لیکن اسے علی الاطلاق درست تسلیم کرنا مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا بالجبر محض زنا کی دو صورتوں میں سے ایک صورت نہیں، بلکہ ایک بالکل مختلف نوعیت کا جرم ہے۔ رضامندی کا زنا اصلاً ایک گناہ ہے جس میں 'حق اللہ' پامال ہوتا ہے، جبکہ زنا بالجبر میں حق اللہ کے ساتھ ساتھ حق العبد پر بھی تعدی کی جاتی اور ایک خاتون سے اس کی سب سے قیمتی متاع چھین لی جاتی ہے۔ فقہا نے اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ ایک پاک دامن عورت کے لیے، جو اپنی عفت اور اپنی عزت نفس کو عزیز رکھتی ہے، عصمت کا لوٹا جانا کوئی مالی نقصان نہیں کہ اس کے بدلے میں اسے کچھ رقم دے کر نقصان کی تلافی کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کا شکار ہونے والی خاتون کے زاویہ نظر سے دیکھیے تو نفسیاتی لحاظ سے یہ غالباً قتل سے بھی بڑا جرم ہے اور ابن تیمیہؒ نے بجا طور پر اسے 'مثلہ' (Mutilation) یعنی انسانی جسم کی بے حرمتی کے مشابہ قرار دیا ہے۔[9] بروکلین لا اسکول میں قانون کی استاد پروفیسر سوزن این ہرمن (Susan N. Herman) نے اس ضمن میں نفسیاتی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

> Women who are raped suffer a sense of violation that goes beyond physical injury. They may become distrustful of men and experience feelings of shame, humiliation, and loss of privacy. Victims who suffer rape trauma syndrome experience physical symptoms such as headaches, sleep disturbances, and fatigue. They may also develop psychological disturbances related to the circumstances of the rape, such as intense fears. Fear of being raped has social as well as personal consequences. For example, it may prevent women from socializing or traveling as they wish.
>
> (Microsoft Encarta Reference Library 2003, CD edition, "Rape")

''زنا بالجبر کا شکار ہونے والی خواتین پامالی کے ایک احساس کا شکار ہو جاتی ہیں جو جسمانی اذیت سے کہیں زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ وہ مردوں پر اعتبار کھو بیٹھیں اور انھیں شرمندگی، تذلیل اور پرائیویسی سے محروم ہو جانے کے احساسات کا تجربہ ہوتا رہے۔ اس کا شکار ہونے والی جو خواتین Rape trauma syndrome (زیادتی کے نفسیاتی دھچکے سے پیدا ہونے والی علامات) کا شکار ہو جاتی ہیں، ان میں سر درد، نیند میں خلل اور تھکن کی جسمانی علامات بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں زیادتی کے حالات سے تعلق رکھنے والے نفسیاتی عدم توازن مثلاً شدید خوف کا پیدا ہو جانا بھی بعید نہیں۔ زیادتی کا شکار ہونے کا خوف سماجی اور ذاتی نتائج مرتب کرتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ خواتین کے سماجی میل جول یا اپنی مرضی سے سفر کرنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔''

مزید یہ کہ زیادتی کا شکار ہونے والی عورت کے 'نقصان' کو پورا کرنا اور چیز ہے اور جرم کی سنگینی کے تناظر میں مجرم کی جسمانی سزا میں اضافہ ایک بالکل دوسری چیز، اور عورت کو عصمت دری کا معاوضہ دلانے کے باوجود اگر مجرم کو کوئی اضافی جسمانی سزا نہیں دی جاتی تو اس سے عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

---

[9] مجموع الفتاویٰ، ۵۶۶/۲۰۔

بعض اہل علم نے زنا بالجبر کو مطلقاً ’حرابہ‘ کی ایک صورت قرار دیا ہے۔ ہماری رائے میں زنا بالجبر کی ہر شکل کو ’حرابہ‘ قرار دینا تو غالباً قرین انصاف نہیں ہے اور اس کی کم یا زیادہ سنگین صورتوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا۔ مثال کے طور پر کسی موقع پر وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر کسی خاتون کی عزت لوٹ لینے اور باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے اس جرم کا ارتکاب کرنے کو ایک ہی درجے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ دوسری صورت، بالخصوص جب اس کے ساتھ اغوا کا جرم بھی شامل ہو، ’حرابہ‘ کے تحت آتی ہے، جبکہ پہلی صورت نسبتاً کم سنگین ہے اور اس پر زنا کی سادہ سزا کے ساتھ جبر اور ہتک عزت کی پاداش میں کسی مناسب تعزیری سزا اور جرمانے کا اضافہ کر دینا زیادہ موزوں ہوگا۔ البتہ جہاں تک اجتماعی آبروریزی یا خواتین کو برہنہ کر کے سر بازار رسوا کرنے یا عصمت وآبرو کے خلاف تعدی کی دیگر سنگین صورتوں کا تعلق ہے جن میں قانون کی اتھارٹی کو چیلنج کرنے اور معاشرے میں جان ومال اور آبرو کے تحفظ کے احساس کو مجروح کرنے کا عنصر پایا جاتا ہے تو وہ صریحاً حرابہ اور فساد فی الارض کے زمرے میں آتی ہیں اور ایسے مجرموں کو عبرت ناک طریقے سے قتل کرنے، سولی دینے یا ہاتھ پاؤں الٹے کاٹ دینے جیسی سزاؤں کا مستوجب ٹھہرانا ہر لحاظ سے شریعت کا منشا ہوگا۔[۱۰]

زنا بالجبر کے اثبات کے لیے چار گواہوں کی شرط

قرآن مجید میں زنا کا الزام ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد زنا کے جرم پر پردہ ڈالنا اور مجرم کو رسوائی سے بچاتے ہوئے توبہ واصلاح کا موقع دینا نیز پاک دامن مسلمانوں کو زنا کے جھوٹے الزام سے تحفظ فراہم کرنا ہے۔ چنانچہ شارع کا منشا یہ ہے کہ زنا کا جرم اثبات جرم کے عام معیارات کے مطابق ثابت ہونے کے باوجود شرعاً ثابت نہ مانا جائے اور جب تک چار گواہ پیش نہ کر دیے جائیں، مجرم کو سزا نہ دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

---

[۱۰] اس بات کو تقلیدی جمود ہی کا کرشمہ سمجھنا چاہیے کہ ۱۹۹۷ء میں جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے اجتماعی آبروریزی (Gang Rape) پر سزائے موت کا قانون منظور کیا تو بعض مذہبی حلقوں نے اس قانون کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کی۔ تاہم جناب ابوعمار زاہد الراشدی نے اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا: ’’ایک ہی جرم مختلف مواقع اور حالات کے حوالے سے الگ الگ نوعیت اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی مختلف نوعیّتوں کا یہ فرق علمائے احناف کے ہاں تو بطور خاص تسلیم کیا جاتا ہے۔.... اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو ’’گینگ ریپ‘‘ زنا کی عام تعریف سے ہٹ کر ایک الگ بلکہ اس سے زیادہ سنگین جرم قرار پاتا ہے، اس لیے کہ اجتماعی بدکاری کی صورت میں زنا کے ساتھ دو مزید جرم بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بدکاری عملاً دوسرے لوگوں کے سامنے کی جاتی ہے جس میں تذلیل اور تشہیر کا پہلو پایا جاتا ہے اور انتقام کے لیے خود ساختہ صورت اختیار کرنا بجائے خود جرم ہے۔ پھر اس موقع پر اگر ہتھیار کی موجودگی اور نمائش بھی کی گئی ہو تو تخویف اور جبر کا ایک تیسرا جرم بھی اس کے ساتھ بڑھ جاتا ہے اور ان تمام جرائم کا مجموعہ ’’گینگ ریپ‘‘ ہے جس کے بڑھتے ہوئے رجحان پر قابو پانے کے لیے اگر ’’حدود شرعیہ‘‘ سے ہٹ کر بطور تعزیر الگ سزا مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تو اسے شرعی اصولوں سے تجاوز قرار دینا کوئی مناسب طرز عمل نہیں ہوگا۔... ہمارا خیال ہے کہ ’’گینگ ریپ‘‘ کی انسانیت سوز وارداتوں میں جس طرح مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس پر قابو پانے کے لیے موت کی سزا کا یہ قانون ایک مناسب، بلکہ ضروری قانون ہے اور شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔‘‘ (ابوعمار زاہد الراشدی، عصر حاضر میں اجتہاد، ص ۱۸۴-۱۸۶)

سے زنا کے اثبات کے لیے چار گواہ مقرر کرنے کی حکمت یہ منقول ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں، ورنہ اگر وہ چاہتے تو ایک ہی گواہ کی گواہی پر، چاہے وہ جھوٹا ہو یا سچا، سزا دینے کا حکم دے دیتے۔[11] گویا زنا کے معاملے میں چار گواہوں کی گواہی اس لیے ضروری قرار نہیں دی گئی کہ اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے عقلاً جرم ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس لیے دی گئی ہے کہ شارع کو حتی الامکان مجرم کی پردہ پوشی منظور ہے۔

چار گواہوں کی کڑی شرط عائد کرنے کا یہ پس منظر ہی واضح کر دیتا ہے کہ اس شرط کا تعلق زنا کی اس صورت سے ہے جس میں شریعت کو اصلاً گناہ کی پردہ پوشی منظور ہے۔ ظاہر ہے کہ جرم کی پردہ پوشی کا یہ اصول اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک جرم کی نوعیت اس اصول سے مستثنیٰ قرار دیے جانے کا تقاضا نہ کرے، جبکہ جرم کی ایسی صورتیں جن میں شارع کو مجرم کی پردہ پوشی اور ستر نہیں، بلکہ اسے سزا دینا مطلوب ہو، اس پابندی کے دائرۂ اطلاق میں نہیں آئیں گی بلکہ ان میں کسی بھی طریقے سے جرم کے ثابت ہو جانے کو سزا کے نفاذ کے لیے کافی سمجھا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے بالجبر کسی خاتون کی عصمت لوٹی ہو اور وہ دادرسی کے لیے عدالت سے رجوع کرے تو اس سے چار گواہ طلب کرنا عقل اور شریعت، دونوں کا مذاق اڑانے کے مترادف ہوگا۔

قانون وانصاف کے زاویۂ نگاہ سے یہ ایک بالکل بدیہی نکتہ ہے اور اگرچہ فقہی لٹریچر میں اسے تسلیم نہیں کیا گیا،[12] تاہم روایات وآثار سے ہمارے اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خاتون اندھیرے کے وقت میں مسجد میں نماز ادا کرنے کی غرض سے گھر سے نکلی تو راستے میں ایک شخص نے اس کو پکڑ کر زبردستی اس کی عزت لوٹ لی اور بھاگ گیا۔ خاتون کی چیخ پکار پر لوگ بھی اس کے پیچھے بھاگے لیکن غلط فہمی میں اصل مجرم کے بجائے ایک دوسرے شخص کو پکڑ لائے۔ مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو جس شخص کو پکڑا گیا تھا، اس نے اپنے مجرم ہونے کا انکار کیا، تاہم خاتون نے اصرار کیا کہ یہی شخص مجرم ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ اس پر اصل مجرم آگے بڑھا اور اس نے اعتراف کر لیا کہ خاتون کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب دراصل اس نے کیا ہے۔[13]

اس روایت کے حوالے سے ''سنن ابی داوٗد'' کے شارح شمس الحق عظیم آبادیؒ نے تو اس بات کو باعث اشکال قرار دیا

---

[11] بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم ۱۷۳۸۱۔

[12] امام مالک کا فتویٰ یہ نقل ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص گواہوں کی موجودگی میں کسی خاتون کو زبردستی اٹھا کر کسی مکان کے اندر لے جائے اور پھر عورت باہر آ کر یہ کہے کہ اس شخص نے میرے ساتھ بالجبر زنا کیا ہے جبکہ وہ آدمی اس کا انکار کرے تو اس شخص پر (جنسی استمتاع کے عوض میں) اس عورت کو مہر کے برابر رقم ادا کرنا تو لازم ہوگا لیکن اس پر حد جاری نہیں کی جا سکتی۔ (المدونۃ، ۳۲۲/۵) ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ اگر زنا بالجبر چار گواہوں یا مجرم کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، بصورت دیگر تعزیری سزا دی جائے گی۔ (الاستذکار، ۱۴۶/۷) مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی زنا بالجبر پر محض تعزیری سزا کا امکان اس صورت میں تسلیم کیا ہے جب قاضی قرائن کی روشنی میں الزام کے درست ہونے پر کسی قدر مطمئن ہو جائے۔ (امداد الاحکام، ۱۲۸/۴)

[13] ابوداوٗد، رقم ۴۳۷۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، رقم ۷۳۱۱۔

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملزم کے اقرار یا گواہوں کی گواہی کے بغیر محض متاثرہ عورت کے بیان پر ملزم کو رجم کرنے کا حکم کیونکر دے دیا، جبکہ اس صورت میں خود عورت پر حد قذف جاری کی جانی چاہیے تھی؟[۱۴] لیکن ابن قیمؒ نے واضح کیا ہے کہ اگر قرائنی شہادت مدعی کے بیان کی تائید کر رہی ہو تو ایسی صورت حال میں اس کی بنیاد پر ملزم کو سزا دینا کسی طرح قضا کے اصولوں کے منافی نہیں ہے۔[۱۵] ابن قیم کی یہ رائے بے حد وزنی ہے، اس لیے کہ کسی بھی جرم میں متاثرہ فریق عدالت میں استغاثہ کرے تو قرائن وشواہد کی موافقت کی شرط کے ساتھ اس کے اپنے بیان کی اہمیت محض دعوے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

سیدنا عمر کے دور میں ایک شخص نے ایک عورت کو تنہا پا کر اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے اپنا دفاع کرتے ہوئے ایک پتھر اٹھا کر اس کو دے مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ سیدنا عمر کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کو اللہ نے قتل کیا ہے، اس لیے اس کی کوئی دیت نہیں۔[۱۶] سیدنا عمرؓ ہی کے دور خلافت میں ایک شخص کو قتل کر کے اس کی لاش کو راستے میں پھینک دیا گیا۔ کافی عرصہ تک تحقیق وتفتیش کے بعد سیدنا عمر آخر کار اس خاتون تک پہنچ گئے جس نے اس کو قتل کیا تھا۔ خاتون نے قتل کا اعتراف کر لیا، تاہم یہ عذر پیش کیا کہ مقتول نے اس کو سوتا ہوا پا کر اس کے ساتھ بدکاری کی تھی جس پر اس نے اپنا دفاع کرتے ہوئے اسے قتل کر کے لاش کو راستے میں پھینک دیا۔ سیدنا عمر اس کے پیش کردہ عذر پر مطمئن ہو گئے اور اسے کوئی سزا نہیں دی۔[۱۷] ان میں سے پہلے مقدمے میں زنا بالجبر کی کوشش کو جبکہ دوسرے میں اس کے وقوع کو قتل کی وجہ قرار دیا گیا ہے اور سیدنا عمر نے قرائنی شہادت کی روشنی میں متاثرہ خاتون کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے جرم کو ثابت مان کر اسے قصاص یا دیت سے بری کر دیا ہے۔ زنا بالجبر کے ایک واقعے میں، جس میں متاثرہ خاتون نے مجرم کو قتل کر دیا تھا، خاتون کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے اسے قصاص سے بری قرار دینے کا فیصلہ امام جعفر صادق سے بھی مروی ہے۔[۱۸]

بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت کسی وجہ سے خود استغاثہ نہ کرے، لیکن یہ بات کسی اور ذریعے سے عدالت کے نوٹس میں آ جائے تو اس صورت میں بھی چار گواہوں کے نصاب پر اصرار نہیں کیا جائے گا، بلکہ عدالت کسی بھی طریقے سے جرم کے ثبوت پر مطمئن ہو جائے تو مجرم کو سزا دے دی جائے گی۔ ابو صالح روایت کرتے

---

[۱۴] عون المعبود ۱۲/۲۸۔ بعض فقہا بھی اس بات کے قائل ہیں۔ چنانچہ مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی عورت کسی شخص پر الزام لگائے کہ اس نے اسے زنا بالجبر کا نشانہ بنایا ہے اور وہ شخص نیک شہرت کا حامل ہو تو عورت پر حد قذف جاری کی جائے گی، البتہ اگر وہ شخص فاسق ہو تو عورت حد قذف سے بچ جائے گی۔ اسی طرح اگر ملزم نیک شہرت کا حامل ہو، لیکن عورت زنا بالجبر کا شکار ہونے کے فوراً بعد اس حالت میں عدالت میں پیش ہو جائے کہ اس نے ملزم کو اپنے ساتھ پکڑ رکھا ہو اور اس کی ظاہری حالت بھی اس کے دعوے کی تائید کر رہی ہو تو قرائنی شہادت کی موافقت کی وجہ سے عورت پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔ (محمد علیش، منح الجلیل ۷/۱۴۲)

[۱۵] ابن قیم، الطرق الحکمیہ ۷۱۔ اعلام الموقعین ۴/۲۰۔

[۱۶] مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۷۷۹۳، ۲۷۷۹۴۔

[۱۷] ابن قیم، الطرق الحکمیہ ۳۴، ۳۵۔

[۱۸] طوسی، تہذیب الاحکام، ۲۰۸/۱۰، ۲۰۹۔

ہیں کہ ایک مسلمان خاتون نے کسی یہودی یا نصرانی کے ساتھ اجرت پر کوئی کام طے کیا اور اس کو ساتھ لے کر چل پڑی۔ راستے میں جب وہ ایک ٹیلے کے قریب سے گزرے تو اس آدمی نے زبردستی اس خاتون کو ٹیلے کی اوٹ میں لے جا کر اس کے ساتھ زیادتی کر ڈالی۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی بری طرح پٹائی کی اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اسے ادھ موا نہ کر دیا۔ وہ آدمی مقدمہ لے کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میری شکایت کی۔ ابو ہریرہ کے طلب کرنے پر میں بھی حاضر ہوا اور صورت حال ان کے سامنے عرض کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے بھی میری بات کی تصدیق کی۔ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس یہودی یا نصرانی سے کہا کہ ہم نے اس بات پر تم سے معاہدہ نہیں کیا (کہ تم ہماری خواتین کی عزتوں پر حملہ کرو)، چنانچہ ان کے حکم پر اس شخص کو قتل کر دیا گیا۔[19]

فقہا نے اس نوعیت کے واقعات سے اخذ ہونے والے قانونی ضابطے کو غیر مسلموں کی حد تک تسلیم کیا ہے، اور ان میں سے بعض کی رائے میں اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان خاتون کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہو اور یہ بات لوگوں میں مشہور ہو جائے تو چاہے گواہ موجود نہ ہوں، زنا کے مرتکب کو قتل کر دیا جائے گا۔[20] اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہا کے نزدیک غیر مسلم کا یہ جرم عقد ذمہ کے منافی ہے جس کی رو سے وہ مسلمانوں کے زیر دست اور ان کا محکوم بن کر رہنے کا پابند ہے۔ گویا جرم کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے مجرم سے درگزر کا طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک یہی اصول بالجبر زنا کا ارتکاب کرنے والے مسلمان کے لیے بھی بالکل درست ہے اور اسے سزا دینے کے لیے چار گواہوں کی شرط عائد کرنا زنا بالجبر کو عملاً سزا کے دائرۂ اطلاق سے خارج قرار دینا ہے، جبکہ یہ بات کسی طرح بھی شارع کا مقصد اور منشا قرار نہیں دی جا سکتی۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے

خطبہ حجۃ الوداع

کا جامع متن (مع تخریج و اردو ترجمہ) اور خطبے کے حوالے سے

مولانا زاہد الراشدی کے محاضرات

www.hajjatujwada.com پر پڑھے جا سکتے ہیں۔

---

[19] مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۰۱۶۸، ۱۰۱۷۰۔

[20] محمد بن مفلح المقدسی، الفروع و تصحیح الفروع، ۲۵۷/۶۔ منصور بن یونس، کشاف القناع، ۱۴۳/۳۔ یہ رائے حنبلی فقہا کی ہے۔ مالکیہ کے ہاں ایک رائے یہ ہے کہ ذمی اگر کسی مسلمان خاتون کے ساتھ بالجبر زنا کرے تو دو گواہوں کی گواہی اثبات جرم کے لیے کافی ہوگی، جبکہ دوسری رائے کے مطابق یہاں بھی چار گواہ ہی درکار ہوں گے۔ (محمد علیش، منح الجلیل، ۲۲۵/۳)

حافظ عبد الرشید☆

دینی ودنیوی طبقات کے مابین دوری: اسباب وعلاج

عصر حاضر کے مسلم معاشروں میں دینی طبقے اور جدید تعلیم یافتہ یا دوسرے الفاظ میں دنیاوی طبقے کے درمیان کشمکش کی ایک شدید کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہر طبقہ معاشرے میں موجود دینی ودنیاوی کی تقسیم کا ملزم دوسرے کو گردانتے ہوئے اپنے اپنے دلائل پیش کرتا ہے، جبکہ صحیح صورت حال کی عکاسی اردو زبان کے اس محاورہ سے ہوتی ہے کہ ''تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی''۔ یہ محاورہ اس صورت حال کے لیے بولا جاتا ہے جب کسی ناگوار معاملہ میں ملوث دونوں فریق ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہوں اور ہر فریق سارا ملبہ اپنے مخالف ہی پر ڈالنے پر تلا ہوا ہو۔ آیئے، ہم ان دونوں فریقوں کے طرز عمل اور اس تشتت وافتراق کی تاریخ کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں اور اصل وجوہات کا کھوج لگاتے ہوئے قابل عمل حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس اختلاف کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں گزشتہ تین چار صدیوں میں یورپ میں رونما ہونے واقعات اور سیاسی ومعاشرتی تغیرات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ یہ زمانہ یورپ میں بادشاہ، جاگیردار اور پوپ کے ظالمانہ اقتدار کے خلاف شدید ترین ردعمل کا زمانہ تھا جس کے نتیجے میں بادشاہت اور جاگیرداری کا مکمل خاتمہ ہوا اور پوپ جو کہ مذہب کا نمائندہ تھا، اس کے کردار کو گرجے کی چاردیواری تک محدود کر دیا گیا۔ اس تبدیلی کے پس پردہ عوامل میں اس ظالم تکون کا پرتشدد رویہ اور معاشرے میں علمی وتحقیقی آزادی پر قدغن لگانے کا مزاج تھا۔ بادشاہ اور جاگیردار تو اپنے اندھے اقتدار کے زعم میں عوام پر ظلم وستم کے پہاڑ گراتے اور پوپ اپنی الوہیت کو چھوتی ہوئی مذہبی حیثیت کو لوگوں سے مال ودولت لوٹنے کے لیے استعمال کرتا۔ پوپ کے خلاف ردعمل کی شدت دوسرے گروہوں کے مقابلے میں اس پہلو سے زیادہ تھی کہ چرچ کے پھیلائے ہوئے فرسودہ اور من گھڑت اعتقادات جب سائنسی وعلمی ترقی کی وجہ سے مشاہداتی طور پر غلط ثابت ہونے لگے تو اس نے اس علمی تحریک کو تشدد سے کچل دینے کی پالیسی اپنائی اور علم وتحقیق کے علمبرداروں کو الم ناک سزائیں دیں۔ آج بھی مغربی دنیا نے علامتی طور پر ان جگہوں کو محفوظ رکھا ہوا ہے جہاں ایک ایک دن میں کئی کئی سائنس دانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس تبدیلی سے بڑے نتائج برآمد ہوئے جنہوں نے بعد میں پوری دنیا کو متاثر کیا:

ا۔ بادشاہت اور جاگیرداری کا خاتمہ ہوا اور اس کی جگہ رفتہ رفتہ جمہوری نظام حکومت رائج ہوا جس میں اقتدار اعلیٰ کا

☆متعلم دورۂ حدیث، دارالعلوم کراچی۔

محور ''عوام'' کو قرار دیا گیا اور پارلیمنٹ ''عوام'' کی خواہش معلوم کرنے کا ذریعہ قرار پائی۔

۲۔ اجتماعی معاملات سے مذہب کے کردار کو ختم کر کے اسے صرف گرجے تک محدود کر دیا گیا، مذہب اور اس کے قوانین پر عمل کرنا فرد کا ذاتی اور شخصی معاملہ قرار پایا اور یہ طے ہوا کہ سوسائٹی اپنے اجتماعی معاملات خود ہی طے کرے گی، اسے کسی بیرونی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔

گویا اجتماعی زندگی میں میں مذہب کے کردار کا خاتمہ کر کے ''سیکولرزم'' کے نام سے ایک نیا ایجاد کر لیا گیا اور معاشرے کے افراد کو مذہبی و غیر مذہبی گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں دنیا میں صنعتی واقتصادی ترقی کی لہر اٹھی اور بد قسمتی سے مسلم ممالک کی حکومتوں نے اس طرف توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ مغرب اپنی صنعتی اور اقتصادی قوت کے بل بوتے پر دنیا پر حکمرانی کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور اسلامی دنیا کے ممالک یکے بعد دیگرے اس کے سامنے ڈھیر ہوتے چلے گئے، حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء میں برصغیر اور ۱۹۲۳ء میں خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد قوتیں عملاً اسلامی ممالک کی حکمران بن گئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے قدیم نظام حکومت اور نظام تعلیم کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور اپنا وہ نظام ان پر مسلط کر دیا جو اپنے تجربات کی روشنی میں انہوں نے تخلیق کیا تھا۔ اس تسلط کے سائے میں معاشرتی وسائنسی علوم کا ایک طوفان آیا جس نے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی کہ یہ علوم ان کے لیے ناگزیر ہیں اور اگر انہوں نے ان کے حصول کی کوشش نہ کی تو زندگی کی دوڑ میں دنیا کا ساتھ نہیں دے سکیں گے، لیکن یہ بھی بدیہی بات تھی کہ مغربی نظام کے تحت ان علوم کے حصول کے لیے انہیں اپنی تہذیبی وتمدنی روایات کی قربانی دینا پڑے گی۔ یہ بہت عظیم خطرہ تھا جو مسلمانوں کے تشخص کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

یہاں سے مسلم دنیا میں دینی اور دنیوی، مذہبی اور غیر مذہبی کی تقسیم شروع ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عظیم خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے فکرمند افراد آگے آئے اور اپنے اعتقادات اور اپنے تمدن ومعاشرے کو بچانے کے لیے میدان عمل میں کود پڑے، لیکن راہ عمل کے انتخاب میں متفق نہ رہ سکے۔ ایک گروہ نے اپنا معاشرتی کردار بلند کرنے کے لیے اسی مغربی نظام میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا اور دوسرے افراد نے اپنی قدیم روایات، نظریات واعتقادات کی حفاظت کو اپنا مطمح نظر بنا لیا۔ دونوں کام اہم تھے، مقصود ایک ہی تھا لیکن راہیں جدا جدا تھیں۔ اول الذکر گروہ نے معاشرتی زندگی میں تو کسی نہ کسی طرح اپنی جگہ بنا لی لیکن نئے نظام کی بھول بھلیاں میں کھو کر اپنی روایات ونظریات کو پس پشت ڈالتے چلے گئے اور نئے نظام کے تحت بغیر کسی نکیر کے زندگی گزارنے لگے۔ ان کی آئندہ نسلوں نے اسی نظام میں آنکھ کھولی اور ابتدائی راہ عمل کے فرق کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے ہی بھائی بندوں سے اجنبیت محسوس کرنے لگے۔ جدید نظام نہ صرف ان کے دلوں میں گھر کر گیا بلکہ یہ اس کی دعوت بھی دینے لگے۔

دوسری طرف وہ لوگ جنہوں نے اپنے قدیم نظریات، روایات اور تمدن کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا، وہ اپنے مخصوص عبوری حالات کے پیش نظر معاشرے سے بالکل کٹ کر اصحاب کہف کی طرح ایک کونے میں جا بیٹھے اور اپنے دین و دینی علوم کو سینے سے لگائے رکھا۔ یہ لوگ برصغیر کے علاوہ دوسرے خطوں میں تو اس قدر کامیاب نہ ہو سکے لیکن برصغیر میں ان کی قربانیوں اور سرفروشی نے مغربی نظام کے سامنے مزاحمت کی مثال قائم کر دی۔ انہوں نے اپنی عزت، اجتماعی زندگی اور

معاشی مفادات کو تج دے کر اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا کہ رہتی دنیا تک مسلم دنیا ان کا احسان نہ چکا سکیں گی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے تمدن وروایات کا دفاع کیا بلکہ اپنی بے مثال استقامت وایمانی فراست سے مغربی نظام پر ایسے کاری حملے بھی کیے کہ وہ اپنے زخم چاٹتے ہوئے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان حضرات نے علمی وعملی دونوں محاذوں پر مغرب کی یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بجا طور پر یہ کہنے کے مستحق ہیں

ہم کیسے تیراک ہیں جا کر پوچھو ساحل والوں سے
خود تو ڈوب گئے لیکن رخ موڑ دیا طوفانوں کا

ان لوگوں کی جدوجہد، قربانیاں اور اس کے ثمرات بجا، لیکن دینی ودنیاوی طبقات کی کشمکش میں یہ لوگ بھی دانستہ نادانستہ حصہ دار ضرور ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اپنی دینی اقدار کی حفاظت کے لیے یہ جس غار میں جا ٹھہرے تھے، وہاں سے نکلنے میں انہوں نے کافی دیر کر دی اور اس عرصے میں معاشرہ مغربی نظام سے کافی حد تک مسموم ہو چکا تھا۔ انہوں نے سوسائٹی میں بالکل بدلا ہوا ماحول پایا، معاشرے میں رائج زبان، ان کی زبان سے اور اصطلاحات ان کی اصطلاحات سے مختلف تھیں۔ علم وتحقیق کے باب میں علم کی کئی نئی اور مفید شاخوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ زمانہ جو پہلے قیاسات سے بہل جاتا تھا، اب ہر بات کی دلیل مانگتا تھا۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی سے دنیا سمٹ سمٹا کر ایک چھوٹے سے گاؤں (global village) کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ یہ حضرات اپنے دامن میں حق بھی رکھتے تھے اور حق کی حفاظت کے سب دلائل بھی ان کے پاس تھے، مگر زبان وماحول کی اجنبیت، لب ولہجہ کا فرق اور مروجہ اصطلاحات سے ناواقفیت کی بنا پر سیکولرزم کے علمبرداروں سے تو دور تھے ہی، معاشرے کے عام سمجھ دار افراد کی فکر اور سوچ کو بھی زیادہ متاثر نہ کر سکے اور عوام کا جتنا کچھ تعلق ان کے ساتھ رہ گیا تھا، وہ بھی محض عقیدت کی بنیاد پر تھا۔ یہ حال محدود شخصیات کے استثنا کے ساتھ تقریباً سارے ہی دینی طبقہ کا تھا۔ اس پر مستزاد مدمقابل کا ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان کے خلاف پروپیگنڈا تھا جس کے نتیجے میں دینی طبقہ اور عوام کے درمیان موجود خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ ان حضرات کا فرقوں میں تقسیم در تقسیم ہونا بھی مخالفین کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا اور انہوں نے بطور ہتھیار اسے استعمال کر کے انہیں بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ سیکولر لوگوں کا وہی مطالبہ تھا جو مغرب میں پوپ سے کیا گیا تھا کہ اپنا دائرۂ عمل مسجد ومدرسہ تک محدود رکھو اور مذہب کو سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے علیحدہ رہنے دو۔ سیکولرزم کے نمائندہ یہ طبقہ اس وقت مسلم معاشرے اقتدار کے سرچشموں پر قابض ہے اور معاشرے کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تعلیم، سیاست، معاشرت غرض ہر شعبہ زندگی میں اس کو فیصلہ کن اتھارٹی حاصل ہے۔

مسلم دنیا میں دینی ودنیاوی طبقات کی تقسیم اپنے ابتدائی مراحل میں صرف رائے اور طرز عمل کا اختلاف تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ اختلاف نظریات واعتقادات کی دو مختلف راہوں کی شکل اختیار کر گیا اور اب دونوں طبقے اپنا ایک الگ نظام عمل اور جدا جدا ''Idealogies'' رکھتے ہیں اور عملاً دونوں دریا کے دو کناروں کا روپ دھار چکے ہیں جو چلتے تو ایک ساتھ ہیں لیکن ان کا ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو جانا خواب وخیال کی دنیا میں بھی ناممکن نظر آتا ہے۔ بہرحال معاشرے میں دینی ودنیوی طبقات میں دوری ختم کرنے کی ذمہ داری سب سے زیادہ مذہبی حضرات پر عائد ہوتی ہے جس کے لیے چند اقدامات ضروری ہیں:

(۱) دینی فکر اور مزاج رکھنے والے ایسے افراد حکومتی مشینری میں شامل کیے جائیں جو مذہبی نقطہ نظر کو حکومتی سطح پر قابل قدر راہمیت دلا سکیں تا کہ لوگوں کو اسلام کی حقانیت کا ان کے ذریعے علم ہو۔

(۲) عوام کو اپنی بات سمجھانے کے لیے رائج طریقوں اور زبان سے آگاہی حاصل کی جائے تا کہ ان پر واضح کیا جا سکے کہ فلاح اپنے دین وروایات میں ہی ہے۔

(۳) غیر مذہبی فکر کا مقابلہ کرنے کے لیے میڈیا میں ایسا موثر پلیٹ فارم تلاش کیا جائے جہاں سے ان کی بات توجہ اور دلچسپی سے سنی جا سکے۔

(۴) حکومتی شعبوں میں اپنے تعلیمی نظام کو عام تعلیم کی طرح سرکاری حیثیت دلائیں تا کہ ان کے مستفیضین معاشرے کے بے کار لوگوں کی لسٹ سے نکل کر کار آمد دائرے میں داخل ہو سکیں۔

(۵) مخالفین کو دلائل سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کریں کہ جو خطرہ مغرب کو مذہب سے تھا، وہ تم کو اسلام سے ہرگز نہیں ہے۔

اگر یہ اقدامات کیے جائیں تو ان شاء اللہ معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کے عملاً رائج ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

الشریعہ اکادمی کی تازہ پیش کش

جنرل پرویز مشرف کا دور اقتدار

سیاسی، نظریاتی اور آئینی کشمکش کا ایک جائزہ

☆ ازقلم: ابوعمار زاہد الراشدی ☆

o ۱۲ اکتوبر کا فوجی انقلاب پاکستانی سیاست کے پس منظر میں o پاکستان، اسلام اور امت مسلمہ: پرویز حکومت کی ترجیحات o دہشت گردی کے خلاف جنگ اور پاک امریکہ تعلقات o پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اور ڈاکٹر عبد القدیر خان کا کیس o مملکت کا نظریاتی تشخص اور پرویز حکومت کے اقدامات o پرویز حکومت اور دینی مدارس o عصری تعلیم اور بین الاقوامی مطالبات o جامعہ حفصہ کا سانحہ o مذہبی شدت پسندی: اسباب وعوامل o عدالتی بحران اور وکلا برادری کی تحریک o جمہوری قوتیں، انتخابات اور نئی حکومت

جنرل پرویز مشرف کی فکری وسیاسی

ترجیحات اور پالیسیوں پر سیر حاصل تبصرہ

صفحات: ۶۰۰ ۔ قیمت: ۳۵۰ روپے

ابوعمار زاہد الراشدی

غامدی صاحب کا ''تصور سنت''

محترم جاوید احمد غامدی صاحب کے تصور سنت کے بارے میں 'الشریعہ' کے صفحات میں ایک عرصے سے بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے مختلف اصحاب قلم اس سلسلے میں اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی بعض مضامین میں اس کا تذکرہ کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ غامدی صاحب نے سنت نبوی کے بارے میں جو انوکھا تصور پیش کیا ہے، اس کے جزوی پہلوؤں پر گفتگو کے ساتھ ساتھ اس کی اصولی حیثیت کے بارے میں بھی بحث ومکالمہ ضروری ہے تاکہ وہ جس تصور سنت سے آج کی نسل کو متعارف کرانا چاہتے ہیں، اس کا صحیح تناظر سامنے آئے اور اس کو قبول یا رد کرنے کے بارے میں متعلقہ حضرات پورے اطمینان کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

اسی پس منظر میں گفتگو کے آغاز کے طور پر چند گزارشات قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ محترم غامدی صاحب بھی اپنے موقف کی وضاحت کے لیے اس مکالمہ میں خود شریک ہوں گے اور اپنے قارئین، سامعین اور مخاطبین کی راہ نمائی کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔

محترم جاوید احمد غامدی اور ان کے مکتب فکر کے ترجمان ماہنامہ ''اشراق'' لاہور کا اپریل ۲۰۰۸ کا شمارہ اس وقت میرے سامنے ہے جس میں غامدی صاحب کے رفیق کار جناب محمد رفیع مفتی نے سوال وجواب کے باب میں دو سوالوں کے جواب میں سنت نبوی کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف پیش کیا ہے اور ان کے یہی ارشادات ہماری ان گزارشات کی بنیاد ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں محمد رفیع مفتی صاحب فرماتے ہیں:

> ''قرآن مجید میں ہر چیز کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو دعوت دی گئی ہے اور حق کی شہادت کے حوالے سے جو استدلال کیا گیا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہے اور وہ ہر پہلو سے جامع ہے، چنانچہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کتاب اجزاے دین کے بیان اور ان کی تفصیلات کے پہلو سے مکمل ہے۔ اجزاے دین کے حوالے سے کئی چیزوں کو اس میں بیان ہی نہیں کیا گیا، مثلاً نماز کی رکعتیں، اوقات اور دیگر تفصیلات، زکوٰۃ کی شرحیں، مونچھیں پست رکھنا، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ وغیرہ، شریعت سے متعلق یہ اہم چیزیں قرآن مجید میں موجود ہی نہیں۔ چنانچہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید اس پہلو سے جامع ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دین کے سب اجزا بیان کر دیے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا دین ایک رسول کے ذریعے سے دیا ہے

اور یہ بات ایک تاریخی سچائی ہے کہ اس رسول نے خدا کا یہ دین ہمیں علم کی صورت میں بھی دیا ہے اور عمل کی صورت میں بھی۔ جو دین ہمیں علم کی صورت میں ملا ہے، وہ سارے کا سارا قرآن مجید میں ہے اور جو عمل کی صورت میں ملا ہے، وہ سنت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت میں جاری کیا ہے۔

چنانچہ اگر ہم قرآن کے علاوہ سنت کے اس ذریعے کا انکار کرتے ہیں تو پھر ان سب اعمال کو ہم بطور دین قبول ہی نہیں کر سکتے۔ بے شک ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے، لیکن اس میں وہ ذکر اس طرح سے موجود ہے کہ گویا یہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزیں ہیں جن پر لوگ عمل کر رہے ہیں اور قرآن محض کسی خاص پہلو سے ان کا ذکر کر رہا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر پورا دین حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت دونوں کی طرف رجوع کریں۔''

جبکہ اسی باب میں ایک اور سوال کے جواب میں، جس میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک سنت سے کیا مراد ہے اور یہ کون کون سی ہیں، محمد رفیع مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ غامدی صاحب کے نزدیک یہ درج ذیل ہیں:

عبادات

۱۔نماز،۲۔زکوٰۃ اور صدقہ فطر،۳۔روزہ واعتکاف،۴۔حج وعمرہ،۵۔قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں

معاشرت

۱۔نکاح وطلاق اور اس کے متعلقات،۲۔حیض ونفاس میں زن وشوہر کے تعلقات سے اجتناب

خورونوش

۱۔سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت،۲۔ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ

رسوم وآداب

۱۔ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا،۲۔ ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب، ۳۔ چھینک آنے پر الحمد للہ اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ،۴۔نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت،۵۔مونچھیں پست رکھنا،۶۔زیرناف کے بال کاٹنا،۷۔بغل کے بال صاف کرنا،۸۔ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا،۹۔لڑکوں کا ختنہ کرنا،۱۰۔ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی،۱۱۔استنجا کرنا،۱۲۔حیض ونفاس کے بعد غسل،۱۳۔غسل جنابت،۱۴۔میت کا غسل،۱۵۔تجہیز وتکفین،۱۶۔تدفین،۱۷۔عید الفطر،۱۸۔عید الاضحیٰ''۔

ان دونوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ کچھ اس طرح ہے کہ:

o غامدی صاحب سنت نبوی کے حجت ہونے کے قائل ہیں اور اس بارے میں وہ جمہور امت کے ساتھ ہیں، مگر

سنت کی تعریف اور تعین میں وہ جمہور امت سے ہٹ کر ایک الگ مفہوم طے کر رہے ہیں۔

o وہ سنت کے صرف عملی پہلوؤں پر یقین رکھتے ہیں اور سنت کے ذریعے علم میں کسی نئے اضافے کے قائل نہیں ہیں۔

o سنت کے عملی پہلوؤں میں بھی وہ اسے صرف دین ابراہیمی کی سابقہ روایات کی تجدید واصلاح اور ان میں جزوی اضافوں تک محدود رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک دین ابراہیمی کی سابقہ روایات سے ہٹ کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نیا عمل اور ارشاد سنت میں شامل نہیں ہے۔

o سنت کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کریم کا وظیفہ بھی صرف اس دائرے میں محدود کر رہے ہیں کہ وہ صرف پہلے سے موجود ومتعارف چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ گویا پہلے سے موجود ومتعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا قرآن مجید کے دائرۂ کار میں بھی شامل نہیں ہے۔

o ان کے نزدیک سنت کسی اصول وضابطہ پر مبنی نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی بھی کام کے سنت یا غیر سنت ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہو، بلکہ سنت صرف لگی بندھی اشیا کی ایک فہرست کا نام ہے جس میں کسی بھی حوالے سے کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

o اس فہرست سے ہٹ کر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد یا عمل غامدی صاحب کے نزدیک سنت کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور نہ ہی اسے حجت کا درجہ حاصل ہے۔

o سنتوں کی اس فہرست میں شامل تمام امور کا تعلق ایک مسلمان کی ذاتی زندگی اور زیادہ سے زیادہ خاندانی معاملات سے ہے جبکہ سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے تعلق رکھنے والے امور میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال کو سنت کا درجہ حاصل نہیں ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاکم، قاضی، کمانڈر اور ڈپلومیٹ وغیرہ کے طور پر جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے، وہ بھی سنت کے مفہوم سے خارج ہے۔

چنانچہ سنت کے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہم نے مندرجہ بالا دو عبارتوں سے سمجھا ہے، یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سنت نبوی کا یہ مفہوم نہ صرف یہ کہ جمہور امت بالخصوص خیر القرون کے اجماعی تعامل کے منافی ہے بلکہ انتہائی گمراہ کن اور عملاً سنت کے حجت ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔ سنت اور حدیث کے حوالے سے محدثین کے بعض فنی مباحث سے قطع نظر جمہور امت کے نزدیک سنت وحدیث میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام ارشادات واعمال شامل ہیں جو کسی بھی حوالے سے صحیح سند کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ان میں ناسخ ومنسوخ اور راجح ومرجوح کی ترجیحات، صحیح وضعیف کی چھان پھٹک اور واجب العمل ہونے یا نہ ہونے کی درجہ بندی اپنے مقام پر مسلم ہے، لیکن سنت نبوی کی تعیین کا بنیادی ماخذ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات واعمال ہی ہیں جنھیں محدثین کرام نے پورے استناد واعتماد کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ احادیث کے اسی ذخیرے سے سنت کا تعین اور انتخاب ہوتا ہے، اس لیے دین میں سنت کے حجت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ماخذ کی حیثیت سے حدیث نبوی بھی حجت کا درجہ رکھتی ہے اور یہ حدیث وسنت صرف دین ابراہیمی کی سابقہ روایات کی خبر کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ انشا کے درجے میں بہت سے نئے احکام اور قوانین کا اضافہ بھی کرتی ہے، اس لیے اگر قرآن وسنت دونوں کے کردار کو دین ابراہیم کی سابقہ روایات کی خبر دینے اور ان میں تھوڑی بہت اصلاح وترمیم نیز پہلے سے موجود ومتعارف امور کے تذکرہ تک محدود کر دیا جائے تو نہ قرآن کریم مستقل طور

پر ''الکتاب'' کے درجے پر فائز رہتا ہے اور نہ ہی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مستقل رسول'' قرار دینا آسان ہوگا بلکہ (نعوذ باللہ) دونوں کی حیثیت عملاً بنی اسرائیل کے ان انبیاء کرام علیہم السلام اور ان پر نازل ہونے والی وحی کی طرح ہو جائے گی جو موسوی شریعت کے تسلسل کو آگے بڑھانے اور بعض ترامیم اور جزوی ردوبدل کے ساتھ بنی اسرائیل کو اس شریعت پر چلاتے رہنے کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں۔

اسی طرح جمہور امت کے نزدیک حدیث وسنت صرف عمل کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ وہ علم کا ماخذ بھی ہے اور ہر دور میں علماے امت نے حدیث وسنت کے ذخیرے سے عمل میں راہ نمائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے ''علم'' کے باب میں بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً عقیدہ کا تعلق خالصتاً ''علم'' سے ہے اور جمہور امت کے نزدیک جو باتیں عقائد وایمانیات میں شامل ہیں، ان کی بنیاد صرف قرآن کریم پر نہیں ہے، بلکہ حدیث وسنت کو بھی ایمانیات وعقائد کے تعین اور تعبیر وتشریح دونوں حوالوں سے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے اور جس طرح قرآن کریم کے ارشادات ہمارے عقیدہ وایمان کا حصہ بنتے ہیں، اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات بھی ایمان وعقیدہ کی بنیاد اور اساس ہیں۔

میں اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے دور کے دو واقعات کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ خیر القرون میں عقیدہ کے تعین اور تعبیر، دونوں میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کو بھی ماخذ کی حیثیت حاصل تھی اور ان دونوں کی وضاحت اور ان کے صحیح مصداق کے تعین کے لیے صحابہ کرامؓ سے رجوع کیا جاتا تھا۔

امام مسلم نے ''صحیح مسلم'' کی سب سے پہلی روایت میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن یعمرؒ نے، جو تابعین میں سے ہیں، بیان کیا ہے کہ جب بصرہ میں معبد جہنی نے تقدیر کے انکار کی بات کی تو میں اور حمید بن عبد الرحمٰن حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اور ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں صحابہ کرامؓ میں سے کسی بزرگ کی زیارت نصیب ہوگئی تو ہم ان سے معبد جہنی کے اس عقیدے کے بارے میں دریافت کریں گے۔ ہمیں اس سفر میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی زیارت کا شرف حاصل ہوگیا۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ہیں جو قرآن کریم بھی پڑھتے ہیں اور علم کی باتیں بھی خوب کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے اور دنیا میں جو کام بھی ہوتا ہے، نئے سرے سے ہوتا ہے (یعنی پہلے سے اس کے بارے میں کچھ لکھا ہوا نہیں ہے)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب تم واپس جا کر ایسے لوگوں سے ملو تو انھیں میری طرف سے کہہ دو کہ میں ان سے براءت کا اعلان کرتا ہوں اور وہ جب تک تقدیر پر ایمان نہیں لائیں گے، اگر احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں تو ان سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث سنائی جس میں ایمانیات کا ذکر کرتے ہوئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ 'و تؤمن بالقدر خیرہ و شرہ'۔ تم تقدیر پر بھی ایمان لاؤ کہ خیر اور شر سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے۔

دوسرا واقعہ بھی امام مسلم نے ہی کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اور اس میں ایک اور تابعی بزرگ حضرت یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ میں خوارج کے اس عقیدہ سے متاثر تھا کہ جو شخص ایک بار جہنم میں چلا گیا، وہ وہاں سے کبھی نہیں نکلے گا اور شفاعت کوئی چیز نہیں ہے، مگر مجھے ایک مرتبہ بہت سے دوستوں کے ساتھ حج کے لیے جانے کا موقع ملا تو مدینہ منورہ میں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو مسجد نبوی میں دیکھا کہ وہ ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے لوگوں کو وعظ فرما رہے تھے۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں کچھ لوگوں کے جہنم سے نکل کر جنت میں جانے کا ذکر کیا تو میں نے سوال کر دیا کہ حضرت! قرآن کریم تو کہتا ہے کہ 'ربنا انك من تدخل النار فقد اخزيته'۔ اے اللہ، جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا تو اسے رسوا کر دیا۔ اور قرآن کریم میں ہے کہ 'كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها'، جہنم سے جب بھی لوگ نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔ تو اس کے بعد آپ حضرات یہ کہا کہہ رہے ہیں کہ شفاعت ہوگی اور کچھ لوگوں کو جہنم میں سے نکالا جائے گا؟ حضرت جابرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ کیا اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''مقام محمود'' کا تذکرہ بھی پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں پڑھا ہے تو اس پر حضرت جابر بن عبداللہ نے ایک طویل حدیث سنائی جس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن ''مقام محمود'' میں کھڑے ہو کر شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت پر بے شمار لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، جبکہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے یہ حدیث سن کر ہم نے آپس میں گفتگو کی اور ایک دوسرے سے کہا کہ تمہارے لیے بربادی ہو، کیا یہ بزرگ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جھوٹ بول رہے ہیں؟ چنانچہ ایک شخص کے سوا ہم سب رفقا نے اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کر لیا۔

ان دونوں واقعات کو ایک بار پھر پڑھ لیجیے، بلکہ ہم نے تو انھیں مختصراً نقل کیا ہے۔ ہو سکے تو صحیح مسلم میں انھیں براہ راست بھی دیکھ لیجیے۔ ان میں عقیدہ کی بات ہے اور ایک واقعہ میں تو اشکال کے لیے قرآن کریم کی دو آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، عقیدہ کی وضاحت کے لیے صحابہ کرام سے رجوع کیا گیا ہے، دونوں بزرگوں یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ نے عقیدہ کی وضاحت کے لیے حدیث نبوی پیش کی ہے اور پوچھنے والوں نے اسے کافی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدہ کو درست کر لیا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا اسلوب یہی ہے کہ وہ دین کے حوالے سے سنت وحدیث کو ماخذ ومعیار سمجھتے ہیں، جبکہ اس کی وضاحت کے لیے صحابہ کرام سے رجوع کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں، چنانچہ عقائد کے باب میں جو رسالے عقائد کے بحث ومباحثہ کے آغاز میں لکھے گئے تھے، ان میں حضرت امام ابوحنیفہ کا رسالہ ''الفقہ الاکبر''، امام محمد کا رسالہ ''عقیدۃ الشیبانی''، امام احمد بن حنبل کا رسالہ ''العقیدۃ'' اور امام طحاوی کا رسالہ ''العقیدۃ الطحاویۃ'' معروف رسائل ہیں۔ ان میں جتنے عقائد کا ذکر ہے اور جن پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، ان میں سے بیشتر کا ماخذ حدیث نبوی ہے اور قرآن کریم کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات سے بھی عقائد وایمانیات میں استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری جمہور امت اور اہل سنت کے اسلوب کا بہترین نمونہ ہے جس میں حضرت امام بخاریؒ نے ''الجامع الصحیح'' کے سب سے پہلے باب ''کتاب الایمان'' میں عقائد وایمانیات بیان کیے ہیں اور سب سے آخری باب ''کتاب الرد علی الجہمیۃ'' میں عقائد کی تعبیرات وتشریحات کا ذکر کیا ہے اور دونوں ابواب میں یعنی عقیدہ کے تعین اور اس کی تعبیر وتشریح دونوں میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہ کو بھی بنیاد بنایا ہے، ان دونوں

کی وضاحت اوران کے مصداق کے تعین کے لیے حضرات صحابہ کرام کے ارشادات وتوضیحات سے استدلال کیا ہے اور یہی قرآن وسنت کی بنیاد پر دین کی تعبیر وتشریح کا صحیح اسلوب اور معیار ہے۔

اس ضمن میں ماہنامہ ''اشراق'' کے مذکورہ شمارے (اپریل ۲۰۰۸) کے صفحہ ۸ میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے اس ارشاد کا حوالہ دینا بھی شاید نامناسب نہ ہو کہ:

> ''اصل الفاظ ہیں: بل رفعه الله اليه ۔اس رفع کی وضاحت قرآن نے سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۵۵ میں اس طرح فرمائی ہے کہ وفات کے بعد اللہ تعالیٰ انھیں اپنی طرف اٹھالیں گے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ روح قبض کر کے ان کا جسم بھی اٹھالیا جائے گا تا کہ ان کے دشمن اس کی توہین نہ کر سکیں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ کہنا امت کے اجماعی عقیدہ کے منافی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک عقیدہ کے تعین وتعبیر میں سنت وحدیث کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان کے خیال میں قرآن کریم سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح قبض کیے بغیر زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا۔ اگرچہ ان کا یہ موقف بھی محل نظر ہے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ حالت میں آسمانوں کی طرف اٹھائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا، لیکن اس وقت ہمارا یہ موضوع گفتگو نہیں ہے اور ہم سر دست یہ عرض کرنا چاہ رہے ہیں کہ چونکہ غامدی صاحب سنت وحدیث کو علم کا ذریعہ نہیں سمجھتے اور عقائد کے ماخذ کے طور پر تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انھیں امت کے اس اجماعی عقیدہ سے انحراف کرنا پڑ رہا ہے اور بات صرف اس ایک عقیدہ تک محدود نہیں ہے، اور بھی بہت سے معاملات میں جمہور امت کے اجماعی تعامل سے غامدی صاحب کے انحراف کی وجہ یہی ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک محترم جاوید احمد غامدی صاحب کا یہ ''تصور سنت'' صرف امت کے اجماعی تعامل وعقیدہ ہی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ 'ومن يشاقق الرسول' اور 'ويتبع غير سبيل المومنين' کی حدوں کو چھوتا ہوا بھی نظر آ رہا ہے، اس لیے ہم 'الدين النصيحة' کے تحت پورے خلوص کے ساتھ انھیں اس گمراہ کن تصور سے رجوع کا برادرانہ مشورہ دینا اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

عصر حاضر میں اجتہاد

چند فکری وعملی مباحث

☆اجتہاد، تجدید اور تجدد میں فرق ☆اجتہاد کے اصول وضوابط اور دائرۂ کار ☆دور جدید میں اجتہاد: چند اہم پہلو ☆اجتہادی ضروریات کا وسیع تر افق ☆علمی وفکری مباحث اور اختلاف رائے کے آداب

از قلم: ابو عمار زاہد الراشدی

[صفحات: ۳۸۲۔ قیمت: ۲۰۰ روپے]

ناشر: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

حافظ محمد زبیر

حلال وحرام اور غامدی صاحب کا تصور فطرت

غامدی صاحب کے نزدیک جس طرح معروف ومنکر کا تعین فطرت انسانی سے ہوگا، اسی طرح ان کے نزدیک کھانے کے جانوروں میں بھی سوائے چار کے حلال وحرام کا تعین فطرت انسانی ہی کرے گی۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے بتایا کہ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جانوروں کی حلت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بعض جگہ 'قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ' اور بعض جگہ 'اِنَّمَا' کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں''۔

غامدی صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کے ذریعے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو کہ قطعاً غلط ہے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک 'ذی ناب' اور 'ذی مخلب' کی حرمت بھی اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ آگے چل کر ہم دلائل سے اس بات کو واضح کریں گے۔ ایک اور جگہ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو ممنوعات کی اس فہرست میں بہت سی دوسری چیزیں بھی اس علم کی روشنی میں شامل کر سکتے ہیں۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا''۔

غامدی صاحب کے نزدیک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، وہ اپنی فطرت سے حرام قرار دیا ہے نہ کہ وحی سے۔ غامدی صاحب کا یہ موقف بھی قرآن وسنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔ غامدی صاحب کے شاگرد رشید جناب منظور الحسن صاحب نے غامدی صاحب کے تصور فطرت کی وضاحت میں اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھا ہے کہ قرآن کی آیت 'یحل لهم الطیبت و یحرم علیهم الخبائث' میں 'الطیبات' اور

'الخبائث' کاتعین فطرت انسانی کرے گی۔ہم یہ کہتے ہیں کہ جمہور اہل سنت کے برحق مذہب کے مطابق حلال وحرام اور خبائث وطیبات کاتعین وحی الٰہی سے ہوگا۔اس موقف کے درج ذیل دلائل ہیں: ☆

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُل لَّآ أَجِدُ فِیُ مَا أُوحِیَ إِلَیَّ مُحَرَّماً عَلَی طَاعِمٍ یَطْعَمُهُ (الأنعام:۱۴۵)

''اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے: میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے کسی بھی چیز کو حرام کسی بھی کھانے والے پر جو کہ اس کو کھاتا ہو۔''

اس آیت مبارکہ کے الفاظ 'ما أوحی الی' اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دے سکتے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا اختیار نہیں ہے تو ایک عام انسان اپنی فطرت سے کسی طرح کسی چیز کو حرام قرار دے سکتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَکُمْ أَلَّا تَأْکُلُواْ مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَکُم مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَیْهِ (الأنعام:۱۱۹)

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس جانور کو نہیں کھاتے کہ جس پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کھول کھول کر وہ سب چیزیں بیان کر چکا ہے جو کہ اس نے تم پر حرام ٹھہرائی ہیں، سوائے اس کے کہ تم ان میں کسی ایک چیز کے استعمال پر مجبور ہو جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام چیزوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعے ان کی مزید تشریح اور وضاحت بھی فرما دی ہے۔لہٰذا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وضاحت کے بعد بھی کیا اس بات کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ فطرت کی بنیاد پر کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرایا جائے؟ قرآن کی نص 'وقد فصل لکم ما حرم علیکم' سے معلوم ہوتا ہے کہ طیبات وخبائث کے مصداقات متعین ہیں۔اگر طیبات وخبائث کے مصداقات کاتعین فطرت انسانی سے ہونا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حلال وحرام کی تفصیل اللہ نے بیان نہیں کی بلکہ انسان نے اس فہرست کو ابھی مکمل کرنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَآئِثَ (الأعراف:۱۵۷)

''آپؐ ان کے لیے طیبات کو حلال قرار دیں گے اور خبائث کو حرام قرار دیں گے۔''

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ طیبات وخبائث کاتعین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری تھی۔ 'یحل' میں 'هو' ضمیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اس سے عام انسانوں کو مراد لینا اصول تفسیر کے کس

☆ یہاں مقالہ نگار نے بعض ان دلائل کا اعادہ کیا ہے جو ان کے مضمون ''غامدی صاحب کے تصور فطرت کا تنقیدی جائزہ'' (الشریعہ، فروری ۲۰۰۷) میں پیش کیے گئے ہیں۔اختصار کے پیش نظر انھیں حذف کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

اصول کے تحت جائز ہوا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے مطابق طیبات وخبائث کا تعین اپنی احادیث مبارکہ سے فرما دیا۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''اور اللہ تعالیٰ کا قول ''آپؐ ان کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام ٹھہرائیں گے'' اللہ کی طرف سے یہ خبر ہے کہ آپ مستقبل میں ایسا کریں گے۔ پس آپؐ نے طیبات کو حلال ٹھہرایا ہے اور خبائث کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ آپؐ نے ہر کچلی والے درندے اور ہر پنجوں والے پرندے کو حرام قرار دیا ہے۔'' (فتاویٰ ابن تیمیۃ: کتاب التفسیر، فصل الناس فی مقام حکمۃ الأمر والنھی علی ثلاثۃ أصناف)

امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

''ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال قرار دیا ہے اور خبائث کو حرام ٹھہرایا ہے اور کچھ چیزیں ایسی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان تھیں، ان کا ان دونوں میں سے کسی ایک یعنی طیبات یا خبائث سے الحاق ممکن تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام اشیا کے بارے میں کہ جن کے طیب یا خبیث ہونے میں اشکال ہوسکتا تھا، وضاحت فرما دی کہ یہ طیب ہے یا خبیث ہے۔ پس آپؐ نے درندوں میں سے ہر کچلی والے درندے اور پرندوں میں سے پنجوں والے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا۔'' (الموافقات' جلد۲' ص ۱۸)

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبات وخبائث کی وضاحت فرما دی تو حلال وحرام کی فہرست واضح ہوگئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے طیبات وخبائث کے افراد کے بیان کی بجائے ان کی تعیین کے لیے کچھ اصول دے دیے، مثلاً آپؐ نے ہر 'ذی ناب من السباع' کو حرام قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حرمت کی علل میں سے ایک علت قوت سبعیہ بھی ہے۔ یعنی جن جانوروں کا گوشت کھانے سے انسانوں میں درندگی کے اوصاف پیدا ہوں' ان کے اخلاق بگڑ جائیں' ان میں بغاوت' زیادتی' ظلم اور سرکشی کے جراثیم پیدا ہوں تو ایسے جانوروں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبائث کہا ہے اور ان جانوروں کی ایک معروف علامت 'ذی ناب' بیان کر دی تاکہ ان کی معرفت میں آسانی ہو۔ یہ ذہن میں رہے کہ صرف 'ذی ناب' ہونا کسی جانور کے حرام ہونے کی علت نہیں ہے، کیونکہ گوہ بھی 'ذی ناب' میں سے شمار ہوتی ہے، جیسا کہ ابن قیمؒ نے' اعلام الموقعین' میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبات وخبائث کا تعین کرتے ہوئے کچھ جامع اصول بیان کیے ہیں کہ جو ایک مستقل مضمون کے متقاضی ہیں۔ ان شاء اللہ ان تمام اصولوں پر ایک علیحدہ مستقل مضمون میں بحث ہوگی۔

سید منظور الحسن صاحب کے نزدیک 'الطیبات' اور 'الخبائث' کا تعین فطرت انسانی سے ہوگا جو کہ خود غامدی صاحب کے اصول 'قرآن قطعی الدلالۃ ہے' کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر فطرت انسانی سے 'الطیبات' اور 'الخبائث' کا تعین کیا جائے گا تو قرآن کے ان الفاظ کا معنی کبھی بھی متعین نہ ہو سکے گا اور فطرت میں اختلاف کی صورت میں ایک فقیہ کے نزدیک ایک جانور حلال ہوگا اور دوسرے کے نزدیک وہی جانور حرام ہوگا۔ بعض فقہا کے جن اقوال کو منظور صاحب نے اپنے تصور فطرت کے حق میں بطور دلیل پیش کیا ہے، ان فقہا کا بعض جانوروں کی حلت وحرمت میں اختلاف ہی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فطرت انسانی سے حلال وحرام کی فہرستیں مرتب نہیں ہوسکتیں اور فطرت انسانی سے طیبات وخبائث کی تعیین کی صورت میں

مراد الٰہی معاذ اللہ لغو قرار پاتی ہے کیونکہ ایک فقیہ ایک جانور کو طیب کہہ کر حلال قرار دے رہا ہوگا جبکہ دوسرا فقیہ اسی جانور کو خبیث قرار دے کے حرام کہہ رہا ہوگا۔ علامہ کاسائیؒ لکھتے ہیں:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے طیبات کو حلال کرتے ہیں اور خبائث کو حرام قرار دیتے ہیں اور گھوڑے کا گوشت طیب نہیں ہے بلکہ وہ خبیث ہے، کیونکہ طبائع سلیمہ اس کو اچھا نہیں سمجھتیں بلکہ اس کو برا خیال کرتی ہیں، یہاں تک کہ کسی بھی شخص کو اگر اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اس کو برا ہی سمجھے گا اور اس کی طبیعت اس کے کھانے سے بچے گی۔'' (بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود)

علامہ کاسائیؒ کی طبیعت کے مطابق گھوڑا خبیث جانور ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ گھوڑے کو طیب کہتے ہیں اور اس کا گوشت استعمال کرنے میں کوئی طبعی کراہت محسوس نہیں کرتے۔ برصغیر پاک و ہند میں اہل حدیث کی فطرت بھی گھوڑے کا گوشت کھانے سے ابا نہیں کرتی، بلکہ ہمارے علاقوں میں اونٹ کا گوشت کھانے میں عامۃ الناس کو طبعاً زیادہ کراہت محسوس ہوتی ہے کیونکہ اس کا گوشت کھانا ہمارے ہاں رواج میں نہیں ہے۔ اگر فقہا کا ایک گروہ کسی جانور کو کھانے میں کراہت محسوس کرے یا کسی مسلمان معاشرے میں کسی جانور کے کھانے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس کا گوشت کھانا پسند نہ کرتے ہوں تو کیا وہ جانور حرام ہو جائے گا؟

۱۷) اگر یہ مان لیا جائے کہ طیبات وخبائث کا تعین فطرت انسانی سے ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے حکم کے مطابق طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار نہیں دیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبات وخبائث کے بعض مصداقات کا تعین کیا تھا جبکہ بعض کی تعیین کا معاملہ امت پر چھوڑ دیا تو ہمارا سوال یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو طیبات وخبائث کی تعیین کا اختیار خود آیت مبارکہ سے ثابت ہوا۔ عامۃ الناس کے لیے طیبات وخبائث کے تعین کا اختیار کس نص سے ثابت ہے؟ منظور صاحب کے لیے صرف یہ کہنا کافی دلیل نہیں ہے کہ چونکہ بعض علما نے بھی یہ کام کیا ہے، لہٰذا ہمارے لیے بھی جائز ہے۔ حالانکہ اس مسئلے میں علما اور غامدی صاحب کے موقف میں زمین وآسمان کا فرق ہے جسے ہم آگے چل کر واضح کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (التوبۃ: ۲۹)

''تم جنگ کرو ان لوگوں سے جو کہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو حرام نہیں ٹھہراتے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہو۔''

یہ آیت مبارکہ میں اس مسئلے میں واضح ہے کہ حرام صرف وہی ہے جسے اللہ یا اس کے حکم سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرا دیا اور یہ محرمات متعین ہیں۔ یہاں کسی فطرت کو حرمت کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اگر تو فطرت انسانی کی بنیاد پر ایک فقیہ نے کسی جانور کو طیب قرار دیتے ہوئے حلال کہا اور دوسرے نے اسے خبیث کہتے ہوئے حرام قرار دیا تو یہ فقہا کے حلال و حرام ہوئے نہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس

عیب سے پاک ہیں کہ ایک ہی جانور مثلاً گھوڑے کو حلال بھی کہیں اور حرام بھی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الحلال بین و الحرام بین و بینهما مشبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی المشبهات استبرأ لدینه و عرضه و من وقع فی الشبهات کراع یرعی حول الحمی یو شك أن یواقعه (صحیح بخاری' کتاب الإیمان' باب فضل من استبرأ لدینہ)

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ ملتے جلتے امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو کوئی بھی ان ملتے جلتے امور سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بھی بچا لیا اور جو ان میں مبتلا ہو گیا، اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو کہ ایک چراگاہ کے گرد اپنے مویشی چراتا ہے اور قریب ہے کہ وہ اس چراگاہ میں اپنے جانور ڈال دے۔''

علامہ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

'لا یعلم کثیر من الناس' سے مراد یہ ہے کہ اکثر لوگ ان معاملات کا حکم نہیں جانتے اور جامع ترمذی کی ایک روایت میں وضاحت ہے کہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کی حلت یا حرمت کا حکم معلوم کرنا تو ممکن ہے لیکن کچھ لوگوں کے لیے جو کہ اجتہاد کے درجے پر فائز ہوں۔ پس شبہات ان لوگوں کے لیے جو کہ مجتہدین نہیں ہیں کیونکہ عوام الناس کو یہ شبہات اس لیے واقع ہو جاتے ہیں کہ وہ دلیلوں میں ترجیح قائم نہیں کر سکتے۔'' (فتح الباری مع صحیح بخاری' کتاب الإیمان' باب فضل من استبرأ لدینہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال و حرام واضح ہیں اور متعین ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بعض شرعی دلائل کے بظاہر تعارض کی وجہ سے عوام الناس کو اشتباہ ہو جاتا ہے کہ یہ حلال ہیں یا حرام ہیں تو مجتہدین ان دو شرعی دلیلوں میں نسخ، تطبیق یا ترجیح کے اصولوں کے ذریعے کوئی موقف قائم کر سکتے ہیں۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اور شبہات کا مطلب یہ ہے کہ ان کا معنی واضح نہیں ہے کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں اس لیے اکثر لوگوں کو ان کی حلت یا حرمت کا علم نہیں ہے اور جہاں تک علما کا معاملہ ہے تو ایسی مشتبہ چیزوں کا حکم قیاس' استصحاب حال یا اس کے علاوہ شرعی اصولوں سے معلوم کر لیتے ہیں۔ پس جب کسی شے کی حلت یا حرمت کے بارے میں اشتباہ ہو جائے اور اس کے حلال یا حرام ہونے میں کوئی نص صریح یا اجماع نہ ہو تو مجتہد اس میں اجتہاد کر کے اس شے کو حلال یا حرام میں سے کسی ایک سے ملا دے گا... اور اگر مجتہد کے لیے بھی کسی چیز میں اشتباہ باقی رہے تو کیا پھر اس کی حلت کا حکم جاری کیا جائے گا یا حرمت کا یا اس میں توقف کیا جائے گا۔ اس میں تین مذاہب ہیں کہ جن کو قاضی عیاض وغیرہ نے بیان کیا ہے اور ظاہر نص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مذکور اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو کسی مسئلے میں شرعی حکم کے نزول سے پہلے ہو جاتا ہے اور اس مسئلے میں چار آرا ہیں جن میں سب

سے صحیح یہی ہے کہ نہ اس کو حلال کہا جائے گا اور نہ حرام اور نہ مباح اور نہ اس پر اس کے علاوہ کوئی حکم جاری کیا جائے گا کیونکہ اہل حق کے ہاں تکلیف کسی شرعی حکم کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔'' (شرح النووی مع صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب أخذ الحلال وترک الشبهات)

امام نوویؒ کے نزدیک کسی چیز کی حلت وحرمت کے بارے میں اگر اشتباہ ہو جائے تو مجتہد کسی شرعی اصول مثلاً قیاس یا استصحاب وغیرہ کی روشنی میں اس شے کے حلال وحرام ہونے کا فیصلہ کرے گا اور بغیر کسی شرعی دلیل کے حلت وحرمت ثابت نہ ہوگی۔

آپؐ کا فرمان ہے:

الحلال ما أحل الله فی كتابه والحرام ما حرم الله فی كتابه و ما سكت عنه فهو مما عفا عنه (سنن الترمذی' کتاب اللباس عن رسول اللہ' باب ما جاء فی لبس الفراء)

''حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کی ہے وہ معاف ہے۔''

محدث العصر علامہ مبارکپوریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

'فهو مما عفا عنه' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیا کے استعمال کو جائز اور ان کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث سے یہ اصول بھی نکلا کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اور اس حدیث کی تائید اللہ تعالیٰ کے فرمان 'وہی ہے کہ جس نے تمہارے فائدے کے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا ہے جو زمین میں ہے' سے بھی ہو رہی ہے۔'' (تحفۃ الأحوذی مع سنن الترمذی' کتاب اللباس عن رسول اللہ' باب ما جاء فی لبس الفراء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال وحرام وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو 'ذی مخلب' اور 'ذی ناب' کو حرام قرار دیا ہے تو وہ اللہ ہی کے حکم سے قرآنی آیت 'يحل لهم الطيبات و يحرم عليهم الخبائث' کا بیان ہے۔ لیکن اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی فقیہ یا مجتہد اپنی فطرت سے کسی جانور کو خبیث قرار دے کر حرام ٹھہراتا ہے تو اس کے بارے میں ہم یقین سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے کیونکہ دوسرا فقیہ اس کو حلال بھی کہہ رہا ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بھنی ہوئی گوہ لائی گئی۔ آپ اس کو کھانے کے لیے جھکے تو آپؐ سے کہا گیا کہ یہ گوہ ہے۔ پس آپؐ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے سوال کیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا: ''نہیں' لیکن چونکہ یہ جانور میری قوم کی سرزمین (یعنی مکہ) میں نہیں پایا جاتا اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا''۔ پس حضرت خالدؓ نے اس کو کھایا اور آپؐ حضرت خالدؓ کو دیکھ رہے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خالہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کچھ پنیر' گھی اور گوہ ہدیہ کے طور پر بھیجے۔ پس آپؐ نے پنیر اور گھی کھا لیا اور گوہ سے کراہت کرتے ہوئے اسے چھوڑ

دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گوہ آپؐ کے دسترخوان پر کھائی گئی، اگر وہ حرام ہوتی تو آپؐ کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے گوشت کو ناپسند فرمایا اور آپؐ کے سامنے گوہ کا گوشت کھایا گیا لیکن آپؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ کھانے کے ایک جانور سے آپؐ کی فطرت ابا کر رہی تھی لیکن آپؐ نے اسے اپنی فطری ناپسندیدگی کی وجہ سے حرام قرار نہیں دے رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے (یعنی وحی کے بغیر) کسی چیز کو حرام قرار نہیں دے سکتے اور فطرت انسانی اگر ایک چیز سے ابا کرتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حرام ہے، جیسا کہ غامدی صاحب کہتے ہیں۔ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ زمانہ رسالت کے اہل عرب کی فطرت کو دوسرے مسلمانوں کی فطرت پر کوئی فوقیت اور تحکم حاصل نہیں ہے جیسا کہ جناب غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ معروف ومنکر کی تعیین بذریعہ انسانی فطرت میں، اگر انسانوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں اہل عرب کے فطری رجحان کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

من أكل من هذه الشجرة الخبيثة فلا يقربنا المسجد فقال الناس حرمت حرمت فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال أيها الناس انه ليس لی تحريم ما أحل الله و لكنها شجرة أكره ريحها (مسند أحمد: ۱۰۶۶۲)

''جس نے اس خبیث درخت (یعنی پیاز) کو کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے تو لوگ یہ کہنے لگے کہ (پیاز) حرام کر دیا گیا حرام کر دیا گیا۔ جب آپؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! جس کو اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے تو مجھے کوئی اختیار نہیں ہے کہ اسے حرام قرار دوں۔ لیکن یہ ایک ایسا درخت ہے کہ جس کی خوشبو مجھے ناپسند ہے۔''

یہ حدیث بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایک عام انسان کی فطرت تو کجا خیر العرب والعجم کی فطرت بھی اگر کسی کھانے کی چیز سے ابا کرے تو وہ حرام نہیں ہو سکتی جبکہ اللہ کی طرف سے اس کی حرمت کے بارے میں کوئی واضح حکم بذریعہ قرآن یا سنت نہ آ جائے۔

منظور الحسن صاحب کے دلائل

منظور صاحب نے اپنے اس موقف کی تائید میں کہ 'طیبات' اور 'خبائث' کا تعین فطرت انسانی سے ہوگا، قرآن و سنت سے کوئی ایک دلیل بھی نقل نہیں کی۔ منظور صاحب کی کل دلیل اس مسئلے میں بعض علما کے اقوال ہیں حالانکہ اس بات پر وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں کہ قرآن وسنت کے دلائل کو سمجھنے میں علما کی اہمیت تو مسلم ہے لیکن علما کے اقوال بذات خود کوئی شرعی دلیل نہیں ہیں۔ لیکن ہمیں اس بات سے خوشی ہوئی کہ منظور صاحب نے طیبات وخبائث کے تعین میں علما کے اقوال نقل کیے۔ چلیں اسی بہانے سہی، اصحاب مورد کو علما وفقہا تو یاد آ گئے۔ منظور صاحب کا یہ کہنا کہ جو موقف غامدی صاحب کا ہے وہی

بعض پچھلے فقہا کا بھی ہے، لہٰذا راقم الحروف کو ان فقہا پر بھی نقد کرنی چاہیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ طیبات و خبائث کی تعیین میں جو موقف بعض فقہا کے حوالے سے منظور صاحب نے بیان کیا ہے، وہ غامدی صاحب کے نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہماری بحث اس وقت غامدی صاحب سے ہو رہی ہے نہ کہ پچھلوں سے؛ لہٰذا ہم پچھلوں پر فتوے کیوں لگائیں جبکہ ہمیں ان کا موقف سمجھ میں بھی آتا ہے۔

سب سے پہلے ہم قرآنی آیت 'یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث' کے بارے میں مفسرین کے اقوال نقل کریں گے کہ وہ اس آیت مبارکہ کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں علما کے درج ذیل اقوال ہیں:

۱۔ طیبات سے مراد وہ حلال چیزیں ہیں کہ جن کو مشرکین مکہ یا یہود نے اپنی طرف سے حرام ٹھہرا لیا تھا یا وہ یہود پر ان کی شرارتوں کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام اور چربی وغیرہ؛ اور خبائث سے مراد وہ حرام اشیاء ہیں کہ جن کو اہل مکہ زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھتے تھے یا یہود نے ان کو حلال بنا لیا تھا مثلاً مردار، خنزیر، سود اور رشوت وغیرہ۔ یہ قول ابن عباسؓ، مقاتلؒ، امام طبریؒ، زمخشریؒ، ابن کثیرؒ، محلیؒ، ماوردیؒ، بغویؒ، عز بن عبد السلامؒ، نسفیؒ، خازنؒ، ابو سعودؒ، ثعلبیؒ، ابن عجیبہؒ، واحدیؒ، طنطاویؒ، الشربینی الخطیبؒ، مفتی عبدہ الفلاحؒ، مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ، مولانا مودودیؒ، مفتی شفیع صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ کا ہے۔ امام بیضاویؒ کا رجحان بھی اسی طرح ہے۔

۲۔ طیبات سے مراد وہ اشیا ہیں جنہیں شریعت نے حلال قرار دیا ہے اور خبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جنہیں شریعت اسلامیہ میں حرام کہا گیا ہے۔ یہ قول امام مالکؒ، ابن جریجؒ، فیروز آبادیؒ، سمرقندیؒ، ثعلبیؒ، ابن عاشورؒ کا ہے۔ امام قرطبیؒ، ابن عطیہؒ اور الثعالبیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ مالکیہ کا مذہب بھی اسی قول کے مطابق ہے۔ یعنی جن چیزوں کی حلت و حرمت قرآن و سنت میں آ گئی وہ تو حلال یا حرام ہیں اور جن کے بارے میں خاموشی ہے ان کا کھانا جائز ہے، مثلاً سانپ، بچھو اور بھونرے وغیرہ۔ ابو جعفر النحاسؒ نے پہلے دونوں اقوال کو آیت کی تفسیر کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس قول پر اگرچہ بعض اعتراضات وارد ہوتے ہیں، لیکن ابن عاشور مالکی نے اپنی تفسیر 'التحریر و التنویر' میں ان کا مفصل جواب دیا ہے۔

۳۔ طیبات سے مراد وہ جانور ہیں کہ جنہیں اہل عرب طبعاً پسند کرتے تھے اور خبائث سے مراد وہ حیوانات ہیں کہ جن کو عرب ناپسند کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جانوروں کو حلال یا حرام کہا ہے، وہ شرعاً حلال یا حرام ہیں اور جن جانوروں کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی نص نہیں ہے، ان کی حلت و حرمت کا فیصلہ اہل عرب کی طبیعت سے ہوگا۔ یہ قول امام شافعیؒ کا ہے۔ جمہور شوافع اور بعض حنابلہ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔ شوافع کے نزدیک اہل عرب سے مراد شہروں اور بستیوں کے لوگوں ہیں نہ کہ دیہاتی اور صحرائی بدو۔ جبکہ حنابلہ کے نزدیک اہل عرب سے مراد اہل حجاز ہیں۔ یہ ذہن میں رہے کہ فقہا کے یہ دونوں گروہ طیبات و خبائث کی تعیین میں اہل عرب کے علاوہ دنیا کے دوسرے خطوں کے انسانوں کی طبیعت و مزاج کے رجحان و میلان کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

امام شافعیؒ، ابن قتیبہؒ اور ابن قدامہؒ کے حوالے سے منظور صاحب نے جو عبارات پیش کی ہیں، ان کا معنی و مفہوم وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک جن چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں کوئی واضح نص نہ

ہو، ان کی حلت وحرمت کا فیصلہ اہل عرب کی طبیعت سے ہوگا۔ جبکہ غامدی صاحب کا موقف ان فقہا سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ ان فقہا کے نزدیک جن چیزوں کی حرمت اخبار آحاد میں آئی ہے، وہ اشیا شرعاً حرام ہیں جبکہ غامدی صاحب حدیث میں موجود حرام اشیا کی حرمت کو شرعی حرمت نہیں مانتے اور اسے بیان فطرت قرار دیتے ہیں اور اگر وہ ان فقہا کی طرح ان اشیا کی حرمت کو بیانِ شریعت مان لیں تو ان کا بنایا ہوا غلط اصول کہ حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید وتخصیص کا یہ مسئلہ محض سوء فہم اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فقہا کا یہ گروہ طیبات وخبائث کے تعین میں اہل عرب کے طبعی رجحان کو فیصلہ کن حیثیت دیتا ہے اور غیر عرب کے طبعی میلان کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے جبکہ غامدی صاحب طیبات وخبائث کی تعیین میں نوع انسانی کی فطرت کی بات کرتے ہیں۔ اس فرق کے باوجود ہم غامدی صاحب کے تصور فطرت کے ساتھ ساتھ فقہا کی اس رائے کو اس وقت تک نہیں مان سکتے جب تک کسی شرعی نص سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اہل عرب اور ان میں بھی شہری عربوں کی طبیعت کو ساری امت مسلمہ پر حلت وحرمت کے مسئلے میں حکم بنایا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ رائے صریح نصوص کے بھی خلاف ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ کی عبارات ہم اس مسئلے میں پہلے نقل کر چکے ہیں۔

۴۔ طیبات سے مراد وہ جانور ہیں کہ جن کے کھانے کو نفس انسانی پسند کرتا ہے اور انسانی طبیعت ان کے استعمال سے لذت حاصل کرتی ہے جبکہ خبائث سے مراد وہ حیوانات ہیں کہ جن کے کھانے کو انسانی طبیعت ناپسند کرتی ہے۔ یہ قول امام رازیؒ اور ابن الخطیبؒ کا ہے۔ ابن عادل الحنبلیؒ اور علامہ آلوسیؒ کا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ ان حضرات کے نزدیک بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جانوروں کو حلال یا حرام کہا ہے وہ شرعاً حلال یا حرام ہیں اور جن جانوروں کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی نص نہیں ہے ان کی حلت وحرمت کا فیصلہ یہ علماء عامۃ الناس کے طبعی رجحان ومیلان پر چھوڑ دیتے ہیں۔ امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو آپؐ نے حرام کہا ہے مثلاً گھریلو گدھے، کچلی والے جانور اور شکاری پرندے اور اس کے علاوہ جانور تو یہ سب خبائث میں شامل ہیں۔ (الأحکام: جلد۲، ص ۲۰۱)

امام رازیؒ، علامہ کاسانیؒ اور ابن حزمؒ کی جو عبارات منظور صاحب نے پیش کی ہیں، ان کا یہی مفہوم ہے جو کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ جناب منظور الحسن صاحب کا رجحان بھی اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ غامدی صاحب کا قدیم قول بھی اسی طرح کا ہے جو کہ 'میزان' مطبوعہ ۱۹۸۵ء میں موجود ہے۔

۵۔ طیبات سے مراد وہ جانور ہیں کہ جن کے کھانے کو نفس انسانی پسند کرتا ہے اور انسانی طبیعت ان کے استعمال سے لذت حاصل کرتی ہے جبکہ خبائث سے مراد وہ حیوانات ہیں کہ جن کے کھانے کو انسانی طبیعت ناپسند کرتی ہے۔ اور جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں حرام قرار دیا ہے وہ اپنی فطرت سے حرام ٹھہرایا ہے نہ کہ وحی سے۔ لہٰذا حدیث میں موجود حرام اشیا بیان فطرت ہیں نہ کہ بیان شریعت۔ یہ جناب غامدی صاحب کا قول جدید ہے۔

۶۔ طیبات سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ٹھہرایا اور خبائث سے مراد وہ اشیا ہیں کہ جن کو آپؐ نے حرام قرار دیا ہے یعنی آپؐ نے اپنی احادیث سے طیبات اور خبائث کے مصداقات کا تعین کر دیا ہے۔ یہ قول مالکیہ، جمہور حنابلہ، بعض احناف، امام ابن تیمیہؒ اور امام شاطبیؒ کا ہے۔ بعد میں بعض فروعات کی حلت وحرمت

میں ان فقہا کے درمیان اختلاف ہوا مثلاً امام مالکؒ نے نصوص میں بیان شدہ صریح حرام جانوروں کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو حلال قرار دیا جبکہ امام ابن تیمیہؒ نے نصوص قرآن وسنت سے علل نکال کر نصوص میں نہ بیان کیے گئے جانوروں کو بھی ان علل کی بنیاد پر حرام قرار دیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ' ابوبکر الجزائریؒ اور 'التفسیر المیسر' کے مؤلفین نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک طیبات کی حلت اور خبائث کی حرمت کی علت خارجی یعنی اہل عرب یا عامۃ الناس کا طبعی رجحان و میلان نہیں ہے بلکہ یہ علت وحکمت ذاتی ہے اور اس علت وحکمت کا علم ہمیں احادیث مبارکہ سے حاصل ہوا ہے یعنی ہر وہ جانور کہ جس کا گوشت انسانی اعضا اور اخلاق کے لیے نفع بخش ہو وہ طیب ہے اور ہر وہ جانور جو انسان کے جسمانی اعضا یا اخلاقی رویوں میں فساد پیدا کرے وہ خبیث ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''جمہور علما کا کہنا یہ ہے کہ طیبات سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور ان کا کھانا دین میں نفع کا باعث ہے اور خبیث سے مراد ہر وہ چیز ہے کہ جو اپنے کھانے والے کے دین کو نقصان پہنچانے والی ہو۔ اور دین کی اُصل عدل ہے کہ جس کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا' پس جو چیز اپنے کھانے والے میں ظلم اور زیادتی پیدا کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا ہے۔ جیسا کہ ہر کچلی والے درندے کے کھانے کو حرام قرار دیا گیا کیونکہ ایسا درندہ سرکش اور حد سے بڑھنے والا ہوتا ہے اور غذا دینے والا غذا لینے والے کے مشابہ ہوتا ہے۔ پس جب کسی انسان کا گوشت ایسے جانور سے پیدا ہو گا تو اس انسان کے اخلاق میں سرکشی اور زیادتی پیدا ہو جائے گی۔ اسی قسم کا حکم خون کا بھی ہے جو کہ شہوت اور غصے سے متعلقہ نفسانی قوتوں کو جمع کرتا ہے۔ پس جب انسان ایسی چیزوں کو بطور غذا استعمال کرتا ہے تو اس کی شہوت اور غصہ اعتدال سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بہائے گئے خون کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس تھوڑے سے خون کو جائز قرار دیا گیا جو کہ جانور کے جسم میں باقی رہ جاتا ہے کیونکہ یہ ضرر نہیں دیتا (یعنی انسان کی شہوت اور غصہ نہیں بڑھاتا) اور خنزیر کا گوشت اس لیے خبیث ہے کہ یہ لوگوں میں برے اخلاق پیدا کرتا ہے۔'' (فتاویٰ ابن تیمیۃ: جلد ۱۹' ص ۲۴ و ۲۵)

ہمارے عام طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ فقہا کے اختلافات کو تو خوب بیان کرتے ہیں لیکن اس بنیاد کو بیان نہیں کرتے کہ جس پر ان کا اختلاف قائم ہے۔ متقدمین میں ابن رشدؒ نے 'بدایۃ المجتہد' میں اس منہج کو اختیار کیا ہے کہ فقہا کے اختلاف میں اصل بنیاد کو تلاش کر کے نمایاں کیا جائے تا کہ ان کے اختلاف کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ فقہا کے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ صرف وہی جانور حرام ہیں کہ جن کی حرمت قرآن وسنت میں ہے۔ علما کی اس جماعت نے جانوروں کی حرمت کے مسئلے میں شدت احتیاط کو اپنا منہج بنایا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ کسی بھی جانور کو اس وقت تک حرام نہ کہیں جب تک کہ اس کے بارے میں کوئی صریح نص موجود نہ ہو' تا کہ اللہ پر وہ بہتان لازم نہ آئے جو کہ مشرکین مکہ پر لگایا گیا تھا۔ اس گروہ کے امام' امام مالکؒ ہیں۔ اپنے اسی منہج کے تحت امام صاحبؒ نے سانپ' بچھو اور حشرات الأرض کو بھی حلال کہا ہے، جبکہ فقہا کے ایک دوسرے گروہ کا کہنا یہ ہے کہ جن چیزوں کی حرمت قرآن وسنت میں وارد ہے وہ تو شرعاً حرام ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ جانور حرام ہیں۔ اب اس گروہ میں اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا کہ نصوص میں موجود حرام جانوروں کے علاوہ حیوانات

کی حرمت کا علم کیسے حاصل ہوگا؟ بعض فقہا نے کہا کہ نصوص کے علاوہ جانوروں کی حلت وحرمت کا فیصلہ اہل عرب کی طبیعت اور رجحان سے ہوگا کیونکہ 'یحل لھم الطیبات و یحرم الخبائث' میں خطاب انہی میں سے ایک فرد سے ہے لہٰذا عرب جس کو طیب کہیں گے، اس کو آپؐ نے حلال قرار دیا اور وہ جس کو خبیث کہیں گے، آپؐ نے اس کو حرام کہا ہے۔ اس جماعت کے امام' امام شافعیؒ ہیں جبکہ بعض دوسرے فقہا کا کہنا یہ تھا کہ نصوص شریعت کی وسعتوں میں باقی جانوروں کی حلت وحرمت کا حکم بھی تلاش کیا جائے گا اور نصوص سے حرمت کی علل نکال کر غیر منصوص جانوروں کا کا حکم قیاس سے تلاش کیا جائے گا۔ اس جماعت کے امام' امام ابن تیمیہؒ ہیں۔ ہمارے نزدیک یہی موقف جو کہ امام ابن تیمیہؒ کا ہے' قوی ہے اور اس کے راجح ہونے کے درج ذیل دلائل ہیں:

۱) اگر تو طیبات وخبائث کا تعین انسانی کے طبعی رجحان پر چھوڑ دیا جائے تو اللہ کی مراد کبھی بھی واضح نہ ہو سکے گی کیونکہ فقہا کی ایک جماعت اپنی طبیعت ورجحان کی بنیاد پر ایک جانور کو حرام ٹھہرائے گی تو دوسری اسے حلال کہے گی۔ مثلاً علامہ کاسانیؒ کی طبیعت کے مطابق گھوڑا خبیث جانور ہے جبکہ شوافع اور حنابلہ گھوڑے کو طیب کہتے ہیں اور اس کا گوشت استعمال کرنے میں کوئی طبعی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ فقہا کے اس اختلاف کی صورت میں طیب وخبیث کے تعین میں کس کی طبیعت اور مزاج معتبر ہوگا؟ فقہائے شافعیہ کا' احناف کے علما کا یا حنابلہ کا؟ ظاہر ہے ان میں سے کسی ایک کے مزاج یا طبیعت کو دوسروں پر حکم بنانے کی کوئی بھی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ جو شخص مقلد ہے، وہ بھی ایک مزاج اور طبیعت رکھتا ہے لہٰذا ایک ایسے مسئلے میں وہ کسی فقیہ کی تقلید کیوں کرے کہ جس کی بنیاد کسی شرعی دلیل پر نہیں بلکہ طبیعت ومزاج پر ہے؟ فقہا کو اس مسئلے میں عامۃ الناس پر حکم بنانے کی شرعی دلیل کیا ہے؟

۲) اگر تو کوئی شخص طیبات وخبائث کی تعیین میں اختلاف کی صورت میں اہل عرب کو حکم مانیں تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ بلکہ یہ تو صریح نصوص کے خلاف بھی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> ''اور اسی طرح علما میں سے جس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر اس کو حرام قرار دیا ہے کہ جس کو اہل عرب خبیث سمجھتے تھے اور اس کو حلال قرار دیا ہے کہ کہ جس کو اہل عرب طیب سمجھتے تھے تو جمہور علما امام مالکؒ' امام ابوحنیفہؒ' امام احمدؒ اور متقدمین حنابلہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ لیکن امام احمدؒ کے اصحاب میں سے خرقیؒ اور ایک گروہ نے اس مسئلے میں امام شافعیؒ کی موافقت اختیار کی ہے۔ لیکن امام احمدؒ سے مروی عام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کا مسلک وہی ہے جو کہ جمہور علماء' صحابہؓ اور تابعینؒ کا مسلک ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا تعلق اہل عرب کے کسی چیز کو طیب یا خبیث سمجھنے سے معلق نہیں ہے بلکہ اہل عرب بہت سی ایسی چیزوں کو بھی طیب سمجھتے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے جیسا کہ خون' مردار' گلا گھٹ کر مرنے والے جانور' چوٹ کھا کر مرنے والے جانور' کسی جگہ سے گر کر مرنے والے جانور' کسی دوسرے جانور کے سینگ سے مرنے والے جانور' درندوں کے شکار کا باقی ماندہ' اور وہ جانور ہیں کہ جن کو ذبح کرتے وقت ان پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور اہل عرب بلکہ ان کے بہترین لوگ بہت سی ایسی چیزوں کو ناپسند کرتے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی حرام نہیں ٹھہرایا جیسا کہ گوہ کے گوشت کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے اور آپؐ نے فرمایا چونکہ یہ میری

قوم کی سرزمین میں نہیں پائی جاتی اس لیے میں اپنے آپ کو اس سے دور رکھ رہا ہوں اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ حرام نہیں ہے اور آپؐ کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اور آپؐ دیکھ رہے تھے۔ (یعنی آپؐ نے اس کے کھانے سے منع نہیں فرمایا)'' (فتاویٰ ابن تیمیۃ: جلد ۱۹ ص ۲۴)

۳) اگر تو امام مالکؒ کا موقف اپنا لیا جائے تو بہت سی ایسی چیزیں بھی حلال قرار پائیں گی جو کہ انسانی جان اور اس کے روحانی و اخلاقی وجود کے لیے مضرت رساں ہوں گی جبکہ ان کا حلال ہونا مقاصد شریعہ کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے۔ امام مالکؒ نے طیبات سے مراد حلال اور خبائث سے مراد حرام جانور لیے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ امام مالکؒ کے موقف کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت (یأمرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث) میں یہ خبر دی ہے کہ آپؐ معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ طیب کو حلال ٹھہرائیں گے اور خبیث کو حرام قرار دیں گے۔ اگر تو معروف کا معنی یہ لیا جائے کہ اس سے مراد مأمور (جس کا حکم دیا گیا ہو) ہے اور منکر سے مراد صرف وہ چیزیں ہوں کہ جن کو شریعت میں حرام کہا گیا ہے تو اس آیت کا مفہوم یہ بنے گا: آپؐ ان کو حکم دیتے ہیں اس کا جس کا ان کو حکم دیتے ہیں اور ان کو منع کرتے ہیں اس سے جس سے ان کو منع کرتے ہیں اور ان کے لیے حلال کرتے ہیں اس کو کہ جس کو ان کے حلال کیا گیا ہے اور ان کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں اس کو جس کو ان کے لیے حرام کیا گیا ہے۔ اس صورت میں اللہ کا کلام ہر قسم کے فائدے سے خالی ہوگا چہ جائیکہ اس کلام سے آپؐ کی باقی انبیا پر کوئی فضیلت ثابت ہو۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ اگر آیت کا یہی معنی مراد لیا جائے تو جو بھی کسی چیز کا حکم دے گا، وہ اس آیت کے مفہوم میں داخل ہوگا اور تمام انبیا ایسے ہی ہوتے ہیں (یعنی کسی نہ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں لہٰذا وہ سب اس آیت کا مصداق بنیں گے تو آپؐ کے لیے اس کلام کو لانے کا کوئی فائدہ باقی نہ رہے گا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض ایسی طیبات کو حرام کر دیا تھا جو کہ ان کے حلال کی گئی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ طیب ہونا ایک ذاتی وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات طیبات کو ان کے ذاتی وصف کے ساتھ باوصف ہونے کے باوجود اپنے بعض بندوں کو سزا دینے کے لیے حرام کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان چیزوں کا ذکر کیا جو کہ بنی اسرائیل پر حرام کی گئی تھیں تو فرمایا: یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی اور بے شک ہم سچے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ آپؐ سے سوال کرتے ہیں کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی ہے تو آپؐ ان سے کہہ دیں: تمہارے لیے طیبات حلال کیے گئے ہیں۔ اگر طیبات سے مراد حلال ہی ہو تو کلام کا فائدہ باقی نہ رہے گا (یعنی سوال یہ ہوا تھا کہ کیا حلال کیا گیا ہے اور طیب سے مراد حلال لینے کی صورت میں جواب یہ ہوگا کہ حلال کو حلال کیا گیا ہے) پس یہ معلوم ہوا کہ طیب یا خبیث ہونا چیزوں کے ذاتی اوصاف ہیں۔'' (مجموع الفتاوی: جلد ۱۷، ص ۱۷۷)

امام ابن تیمیہؒ امام شافعیؒ کی رائے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طیب سے مراد صرف کسی کھانے کا انسان کے نزدیک لذیذ ہونا نہیں ہے کیونکہ انسان بعض اوقات بعض ایسی

چیزوں کو کھا کر لذت حاصل کرتا ہے جو کہ اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں مثلاً زہر اور بہت سی ایسی چیزیں کہ جن کے استعمال سے طبیب (ڈاکٹر) انسانوں کو روکتے ہیں۔ اور نہ ہی طیب سے مراد یہ ہے کہ عرب اقوام میں سے ایک جماعت اس کے کھانے سے لذت محسوس کرے یا عرب جس کے کھانے کے عادی ہوں۔ کیونکہ مسلمان اقوام میں سے کسی ایک قوم کا محض کسی چیز کو کھانا یا اس کو پسند کرنا یا ناپسند جاننا اس وجہ سے کہ وہ ان کے علاقوں میں نہیں پائی جاتی' سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو تمام امت مسلمہ پر حرام کر دیں کہ جن کو اہل عرب کی طبیعتیں پسند نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جس چیز کے کھانے کے اہل عرب عادی ہوں اس کو تمام امت کے حلال کر دیا جائے کیونکہ عرب تو خون اور مردار اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی چیزوں کو کھانے کے عادی تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ بعض عرب سے جب یہ سوال ہوا کہ تم کیا کھاتے ہو تو انہوں نے جواب دیا: ہر زندہ اور مردہ چیز کو سوائے اُم حبین (ایک زہریلا درخت) کے۔ تو اس شخص نے جواب دیا: اُم حبین کو عافیت مبارک ہو۔ خود قریش کی صورت حال یہ تھی کہ وہ بہت سے ایسی خبیث چیزیں کھاتے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور ایسی چیزوں کے کھانے سے بچتے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں ٹھہرایا ہے۔'' (مجموع الفتاوی: جلد ۱۷' ص ۱۷۷ و ۱۷۸)

امام شافعیؒ کے نزدیک خبیث یا طیب ہونا ایک اضافی وصف ہے یعنی کسی چیز کے خبیث یا طیب ہونے کا اعتبار اس کے کھانے والوں کی نسبت سے ہوگا۔ امام ابن تیمیہؒ اس رائے کو نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ خبیث یا طیب ہونا اشیا کے ذاتی اوصاف ہیں اور طیب سے مراد ہر وہ شے ہے جو انسان کے لیے نفع بخش ہو اور خبیث سے مراد ہر وہ شے ہے کہ جو انسان کے لیے ضرر رساں ہو۔

اصولیین نے علت کی شرائط میں لکھا ہے کہ اس کے لیے منضبط وصف ہونا اس کی بنیادی شرائط میں سے ایک شرط ہیں۔ لہٰذا وہی وصف کسی حکم کی علت بن سکتا ہے جو کہ منضبط وصف ہو یعنی ایسا وصف ہو جو کہ اشخاص اور احوال کے اعتبار سے تبدیل نہ ہوتا ہو۔ غامدی صاحب نے چیزوں کی حلت و حرمت کے بارے میں جو وصف (یعنی انسان کی فطرت و طبیعت) بیان کیا ہے، وہ بالکل بھی منضبط وصف نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کے اعتبار سے حکم بھی تبدیل ہو رہے، البتہ امام شافعیؒ نے اس وصف کو منضبط کرنے کے لیے اہل عرب کے ایک خاص طبقے کے ساتھ اس کو متعلق کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس وصف میں کامل انضباط موجود نہیں ہے جس کی دلیل گوہ کو کھانے والی حدیث ہے۔ اگر امام شافعیؒ کا بیان کردہ وصف (یعنی اہل عرب کی طبیعت) ایک منضبط وصف ہوتا تو دو عرب یعنی آپؐ اور خالد بن ولید میں گوہ کھانے میں اختلاف نہ ہوتا۔

اسی طرح غامدی صاحب اور امام شافعیؒ کے بیان کردہ اوصاف مناسب وصف بھی نہیں ہیں اور علت کی بنیادی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مناسب وصف ہو یعنی شارع نے اس حکم سے جس مصلحت کا قصد کیا ہو وہ اس وصف سے پوری ہوتی ہو یا آسان الفاظ میں حکم کی اس وصف کے ساتھ مناسبت عقلاً سمجھ میں آتی ہو جیسا کہ شراب کے حرام ہونے کے حکم کے لیے نشہ ایک مناسب وصف ہے کیونکہ اس وصف کی وجہ سے شراب کی حرمت کے حکم سے شارع کا مقصد (انسان کی عقل کی حفاظت) پورا ہوتا ہے جبکہ شراب کا مائع ہونا اس کی حرمت کے لیے ایک غیر مناسب وصف ہے کہ جس سے شارع کا کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا، لہٰذا یہ وصف شراب کی حرمت کی علت نہیں بن سکتا۔ ایسے اوصاف کو اصولیین وصف طردی یا

اتفاقی بھی کہہ دیتے ہیں۔ غامدی صاحب اور امام شافعیؒ کا بیان کردہ وصف غیر مناسب وصف ہے کیونکہ اس سے شارع کا کوئی مقصد اور مصلحت پوری نہیں ہوتی لہٰذا یہ وصف حرمت وحلت کے حکم کی علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ امام شافعیؒ کا بیان کردہ وصف حکم کے مناسب ہے تو پھر بھی بعض اوقات کسی وصف کی حکم کے ساتھ مناسبت کسی مجتہد کے لیے تو ثابت ہو جاتی ہے لیکن شارع کے نزدیک وہ وصف لغو ہوتا ہے، اس کو اصولیین کی اصطلاح میں مناسب ملغی کہتے ہیں۔ اہل عرب کی طبیعت کو حرمت وحلت کی بنیاد بنانے کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں لغو وصف قرار دیا ہے جیسا کہ اس بارے میں ہم پیچھے آیات نقل کر چکے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے جو وصف بیان کیا ہے، وہ منضبط بھی ہے اور مناسب بھی ہے لہٰذا امام صاحبؒ کا بیان کردہ وصف ہی کسی جانور کے حلال یا حرام ہونے کی بنیاد وعلت ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کریں گے پس ہر وہ چیز جو کہ نفع بخش ہو، وہ طیب ہے اور ہر وہ چیز جو کو ضرر رساں ہو وہ خبیث ہے۔ اس وصف کی حکم کے ساتھ مناسبت ہر صاحب عقل کے لیے واضح ہے کیونکہ منفعت، تحلیل کے لیے ایک مناسب وصف ہے جبکہ ضرر، تحریم کے لیے ایک مناسب وصف ہے۔ اور مسلک دوران (اصولیین کے نزدیک علت معلوم کرنے کا ایک طریقہ) سے بھی ہماری بیان کردہ علت ثابت ہے کیونکہ تحریم، مضرتوں کے موجود ہونے کے اعتبار سے مردار، خون، خنزیر کے گوشت، کچلی والے درندوں، پنچوں والے پرندوں اور شراب وغیرہ میں گھومتی ہے۔'' (مجموع الفتاوی، جلد ۲۱، ص ۵۴۰)

ہمارا نقطہ نظر اس مسئلے میں وہی ہے جو کہ امام ابن تیمیہؒ کا ہے۔ اس مضمون میں ہم نے حلت وحرمت کے حوالے سے چند اصولی بحثیں کی ہے۔ فروعات میں کیا چیزیں حرام ہیں اور کیا حلال ہیں، ان شاء اللہ ان اصولی بحثوں کی روشنی میں کسی اور وقت میں اس پر بھی مفصل بحث ہوگی۔

فن حدیث کے اصول ومبادی

(زیر طبع)

☆ علم حدیث اور اس کی اقسام ☆ حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کی خدمات
☆ تصحیح وتضعیف کے اصول وقواعد ☆ متن کے تنقیدی مطالعہ کے اصول
☆ علم حدیث میں درایتی نقد کا تصور ☆ امہات کتب حدیث کا تعارف اور مقام استناد

رشحات قلم: شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

ترتیب وتدوین واضافہ جات: محمد عمار خان ناصر

مکاتیب

(۳)

بخدمت جناب مولانا محمد عمار خان ناصر صاحب سلمہ اللہ وحفظہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ الشریعہ کے اپریل کے شمارے میں جناب کا مضمون ''زنا کی سزا'' (۲) پڑھا۔ پورے مضمون کا تفصیلی جواب دینے کی ہمت نہیں، البتہ جواب کا جو جو ہر ہوسکتا ہے، وہ پیش خدمت ہے۔ اللہ کرے کہ اس سے آپ کے ذکر کردہ تمام اشکالات کا حل نکل آئے۔ یہ اقتباس احقر کی کتاب ''تحفہ اصلاحی'' سے ہے۔ یہ جواب الشریعہ میں چھپوانے کے ارادہ سے نہیں لکھا، صرف آپ کے مطالعہ اور غور وفکر کے لیے لکھا ہے۔ ویسے اگر آپ اس کو شائع بھی کر دیں تو مجھے اعتراض نہیں۔

مزید ایک بات پر غور کرنے کے لیے عرض کروں گا کہ علم کس کو کہتے ہیں؟ کیا جو اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہو، وہ علم نہیں؟ اگر وہ علم ہے تو پھر اگر کچھ اشکال ہے تو ہماری کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے ہے، اور اگر وہ بھی علم نہیں تو پھر ہماری اور آپ کی عقلوں اور سمجھوں کا بھی کیا اعتبار ہے، اور وہ کیا معیاریت رکھتی ہیں؟ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: الدین النصیحۃ۔ وماعلینا الا البلاغ۔

[مولانا مفتی] عبدالواحد غفر لہ

دارالافتاء، جامعہ مدنیہ لاہور

''تحفہ اصلاحی'' سے اقتباس:

امین اصلاحی صاحب نے رجم کے حد ہونے کے خلاف نسخ القرآن بالسنۃ کے عدم جواز کو اپنے لیے بڑی حتمی دلیل سمجھا تھا، ورنہ جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے، احکام کی جو ترتیب واقع میں ہمیں ملتی ہے، اس میں نسخ القرآن بالسنۃ کا قول کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ قرآن پاک میں زنا کی سزا کے متعلق پہلے پہل یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (النساء، ۱۵)

''اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیویوں میں سے، تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو۔ پھر اگر وہ آدمی گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر بند رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ تجویز فرما دیں۔''

وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُواْ عَنْهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ تَوَّاباً رَّحِيماً (النساء،١٦)

''اور وہ مرد وعورت جو تم میں سے یہ برائی کریں، انہیں ایذا پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

ان دو آیتوں سے دو حکم ملے:

۱۔ اگر شوہر بیویوں پر زنا کا الزام رکھیں اور ان کے جرم پر چار گواہ بھی لے آئیں تو آئندہ حکم آنے تک ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے۔

۲۔ اجنبی مرد وعورت زنا کریں، خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں، ان کو حسب حال تعزیر کی جائے۔

زنا کی مرتکب بیویاں ایسی بھی ہوسکتی ہیں جن سے صحبت ہو چکی ہو یعنی وہ ثیب ہوں یا ان سے صحبت نہ ہوئی ہو یعنی وہ باکرہ ہوں۔ اسی طرح زنا کے مرتکب مردوں میں بعض ایسے ہیں جو نکاح کے بعد صحبت کر چکے ہوں اور کچھ وہ ہیں جو ابھی تک صحبت نہ کر پائے ہوں اور کچھ وہ ہیں جن کا نکاح ہی نہ ہوا ہو۔ جب یہ کہا گیا کہ ''آئندہ حکم آنے تک زنا کی مرتکب بیویوں کو گھروں میں محبوس رکھو'' تو انتظار صرف ان بیویوں کے حکم کا نہیں بلکہ ان سے زنا کرنے والوں کے حکم کا بھی یہی ہے کیونکہ اول یہ انہیں سے ملوث ہوئے ہیں اور دوسرے ان کے بارے میں بھی کوئی متعین حکم نہیں دیا۔

مذکورہ بالا حکم کے بعد دوسرا حکم سنت وحدیث میں بیان ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے نقل ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلا، البكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة والثيب بالثيب جلد مائة والرجم۔

''رسول اللہ نے فرمایا: مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان زنا کار بیویوں کے لیے (اور ان سے ملوث مردوں کے لیے) ضابطہ مقرر فرما دیا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد کی غیر شادی شدہ عورت سے بدکاری میں سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ (یہی حکم ان مردوں اور عورتوں کا ہے جن کا نکاح ہو چکا ہو، لیکن صحبت نہ ہوئی ہو) اور شادی شدہ مرد کی شادی شدہ عورت (جو صحبت بھی کر چکے ہوں۔ ان) کی بدکاری کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے۔''

اس حدیث وسنت سے اس بیوی کا حکم بھی معلوم ہوا ہے جس سے صحبت ہو چکی ہو، پھر اس نے زنا کیا ہو اور شوہر نے اس پر چار گواہ قائم کر دیے ہوں کہ اس کی سزا رجم ہے۔

تیسرے درجہ میں سورۃ نور کی آیات نازل ہوئیں۔ ان کے ساتھ ہی رجم سے متعلق آیت بھی نازل ہوئی۔ ان آیات میں مندرجہ ذیل احکام ملے:

۱۔ شوہر بیوی پر زنا کا الزام رکھے لیکن چار گواہ پیش نہ کر سکے تو لعان ہوگا۔

۲۔ الزانية والزاني کے الفاظ سے غیر شادی شدہ کا حکم بتایا کہ اس کی سزا صرف سو کوڑے ہے اور ایک سالہ جلاوطنی کو منسوخ کر دیا گیا۔

۳۔ رجم کی آیت بھی نازل ہوئی جس سے رجم کی سزا کو برقرار رکھا گیا اور سو کوڑوں کی سزا کو منسوخ کر دیا گیا۔ بعد

میں اس آیت کے الفاظ منسوخ کر دیے گئے۔

(۲)

بخدمت جناب عمار خان ناصر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج بخیر!

بعض ذرائع سے چند ماہ قبل ماہنامہ ''الشریعہ'' کے چند شمارے پڑھنے کا موقع ملا۔ یقیناً یہ رسالہ خالص علمی نوعیت کا ہے اور اس کے مضامین علمی مباحث پر مشتمل ہیں، مگر معاشرہ میں ان مضامین کو سمجھنے والے آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ بعض مضامین سے طے شدہ مسائل میں شک اور تذبذب پیدا ہوتا ہے اور تحقیق کے عنوان سے تشکیک کا دروازہ کھلتا ہے۔ امت میں بھی پہلے ہی اختلاف در اختلاف ہے۔ جس چیز کو بنیاد بنا کر یہ مضامین تحریر کیے جا رہے ہیں، وہ بنیاد قوم میں اب سرے سے موجود نہیں، نہ اس قسم کے مضامین کی ننانوے فی صد عوام کو ضرورت ہے۔ دین کا وہ حصہ جو قطعی دلائل سے ثابت ہے اور متفق علیہ ہے، اگر امت میں وہ احکام زندہ ہو جائیں تو یہ بھی غنیمت ہے۔ اس قسم کے مضامین سے جس قسم کا ذہن تیار ہوگا، وہ کام مختلف ٹی وی پروگرام اور عالم آن لائن سے زیادہ موثر انداز میں ہو رہا ہے۔ قوم دین کی بنیادی باتوں سے بھی ناواقف ہے۔ اس کا تجزیہ آپ اپنے اردگرد کے ماحول میں لوگوں سے گھل مل کر بھی کر سکتے ہیں۔ اگر دین کا علم رکھنے والے اپنی صلاحیتوں کو اس طرح استعمال کریں کہ مختلف مساجد میں یومیہ درس قرآن اور درس حدیث عام فہم انداز میں دیں، عوام کے سامنے بنیادی عقائد اور فرائض کی ادائیگی، انسانیت کی ہمدردی، معاملات کی صفائی، معاشرت کی پاکیزگی، صلہ رحمی، عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور دین کا بنیادی علم حاصل کرنے کا جذبہ، مغربی تہذیب کی بے حیائی سے بچنا، رشوت وسود کی نفرت جیسے عنوانات بیان کیے جائیں، وکلا کو تیار کیا جائے کہ جھوٹا کیس نہ لیں، تجار کی ایک جماعت ملک میں تیار کی جائے جو کم منافع پر عوام کو ضروریات مہیا کرے، ڈاکٹروں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ مناسب فیس لے کر انسانیت کی خدمت کو شعار بنائیں اور اسی قسم کے مضامین کی اشاعت ہو تو قوم کو اس سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

اگر آپ کے کسی مضمون سے تحقیق کے عنوان پر کوئی ایسا حکم جو دور صحابہ سے امت میں نقل ہوتا آ رہا ہے اور اس کو محدثین اور فقہا اسی طرح نقل کرتے آ رہے ہیں اور آپ نے اپنے مضامین سے اپنے قاری کو شک میں مبتلا کر دیا تو اللہ کو اس کا کیا جواب دیں گے؟ اگر آپ کے مضامین کے تسلسل سے ایک جماعت ایسی تیار ہوگی جو امت کے متفق علیہ مسائل میں شک کرے اور اس کا ذہن یہ بنا کہ چودہ سو سال میں کسی مفسر، فقیہ، محدث کی نگاہ اس پہلو پر نہیں گئی تو پھر یہ سلسلہ صرف رجم اور اس جیسے پر مسائل پر موقوف نہ ہوگا بلکہ مستشرقین کا خوشہ چین بن کر نہ معلوم کس کس مسئلہ کو تختہ مشق بنائے۔

امت بہت ضعیف ہو چکی، خدارا اس پر رحم کریں اور تحقیق کا رخ ان مسائل کی طرف کریں جو امت کے حقیقی مسائل اور ضروریات ہیں۔ کیا سود سے قوم کو نکالنے کے لیے تمام وسائل مہیا کر دیے گئے ہیں اور اس کا بہتر متبادل دے کر اہل علم اپنا فریضہ ادا کر چکے ہیں؟ انشورنس کا متبادل قوم کو مل چکا ہے؟ مظلوموں کو واضح ظلم سے نکالنے کے لیے ہر شہر میں وکلا کی جماعت تیار ہو چکی؟ نہایت خستہ حال لاکھوں انسانوں کو ایسے تاجر میسر آ چکے ہیں جو جائز منافع لے کر ضروریات زندگی مہیا کر دیں؟ ہے کوئی زمیندار اور ملوں کا مالک جو بہاولپور کے صحرا میں بسنے والوں کو اس شدت کی گرمی میں صرف پینے کا پانی

مہیا کر دے؟ ذرا شہر سے پانچ کلومیٹر نکل کر جائزہ لیں، ہزاروں مرد وعورت ایسے ملیں گے جو واضح حلال وحرام، جائز وناجائز کا کوئی تصور بھی نہیں رکھتے۔

ایک طرف یہ حالت، دوسری طرف آپ کے رسالہ میں چھپنے والے مضامین اس سطح کے کہ شاید کسی پی ایچ ڈی کرنے والے کو بھی زندگی میں اس کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ اس جذبہ کو لے کر عوام میں آئیں تو آپ کا حلقہ احباب، آپ کے شانہ بشانہ چلنے والے ایک سال میں اتنے ہوں گے کہ موجودہ طرز کے مضامین سے بیس سال میں بھی ایسے افراد مہیا نہ ہوں گے جن میں انسانیت کی تڑپ ہو۔ انسانیت کے لیے آنسو بہانے والے، مسلمان کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہونے والے ایسے مضامین سے پیدا نہ ہوں گے۔

تمہاری ایک بہن

(۳)

محترم المقام جناب حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے ایمان وصحت کی بہترین حالت میں ہوں گے۔

تسلیمات کے بعد! ۵/اپریل کو الشریعہ کا تازہ شمارہ ملا اور ۷/اپریل کے تمام قومی اخبارات میں آپ کے پیارے چچا ولی کامل اور عہد حاضر کی عظیم صوفی وروحانی شخصیت حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی کی وفات کی خبر شائع ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پہلی ہی فرصت میں خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر بخار کے شدید حملے کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ اب تھوڑا سا افاقہ ہوا ہے تو یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ ہمارے دار العلوم مصباح الاسلام میں حضرت اقدسؒ کی وفات کے دوسری دن برادر مکرم مولانا سید عنایت اللہ شاہ ہاشمی صاحب کے حکم پر حضرت اقدسؒ کے ایصال ثواب کے لیے قرآنی خوانی کا اہتمام کیا گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مرحوم یقیناً اس صدی کی عظیم روحانی شخصیت تھے۔ وہ اخلاص ومحبت، زہد وتقویٰ، سادگی ودرویشی کا مجسمہ اور بلاشبہ اکابر کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ایسے فرشتہ صفت لوگ عطیہ خداوندی ہوتے ہیں جو اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار، پاکیزہ سوچ، عالی نظری، حق وصداقت کا علمبردار اور روحانی طبیب ہونے کی بدولت لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت، تزکیہ نفس اور جنت کی طرف رہنمائی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ قحط الرجال کے اس پرفتن دور میں مرحوم ومغفور کا وجود مسعود بہت بڑی نعمت تھی اور ان کا دنیا سے چلے جانا امت مسلمہ کے لیے ایک بڑے سانحہ سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازیں، آمین ثم آمین۔

الشریعہ کے اپریل ۲۰۰۸ ہی کے شمارہ میں آپ کے نام جناب محترم سیف الحق کا خط شائع ہوا ہے جس میں آپ کے ''علمی وفکری مکالمہ'' نامی کتاب پر طویل بحث کی گئی ہے اور آپ کے بعض افکار سے اتفاق اور بعض سے اختلاف کیا گیا ہے۔ آپ کے افکار سے اختلاف یا اتفاق کے بارے میں محترم سیف الحق صاحب کے رائے کے بارے میں مجھے کچھ کہنے کا حق نہیں، البتہ خط کے مندرجات میں موجود جس بات نے مجھے سخت دکھ سے دوچار کیا، وہ یہ ہے کہ ''اس وقت سب سے زیادہ خطرناک اور امن عالم کے لیے نہایت ہی نقصان دہ تنظیم القاعدہ کی تنظیم ہے۔''

پرائیویٹ عسکری تنظیموں کی جذباتیت سے رونما ہونے والے اثرات کے بارے میں، میں خود بھی سیف الحق صاحب کے خیالات وافکار سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں، لیکن دنیا میں جاری جنگ وجدل اور بدامنی کا الزام القاعدہ پر لگانا حقائق سے چشم پوشی ہے اور یہ بات عالم اسلام کی اجتماعی سوچ وفکر سے ہٹ کر ہے۔ میرے خیال میں ایسے بے سروپا الزامات لگانے سے امریکہ کی سوچ وفکر کو تقویت ملتی ہے اور یہ دہشت گردی کے نام سے عالم اسلام کے خلاف جاری امریکی جدوجہد کو ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کے مترادف ہے۔ امن عالم کے لیے اس وقت سب سے خطرناک اور نقصان دہ امریکہ ہے جب کہ القاعدہ اس کے خلاف بطور ردعمل رونما ہونے والے سوچ وفکر کی عکاسی کر رہی ہے۔ زمینی حقائق اور مشاہدات کی روشنی میں یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ اس وقت کون امن عالم کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ دنیا بھر میں امریکہ کے شدت پسندانہ رویہ کے خلاف سب سے پہلے ۱۹۸۰ء میں استاد عبداللہ عزام نے ''مکتب الخدمت'' کے نام سے ایک عسکری تنظیم کی بنیاد رکھی جبکہ عبداللہ عزام کی شہادت کے بعد اس تنظیم کی تمام ذمہ داری اسامہ بن لادن پر آئی جس نے اس تنظیم کا تبدیل کر کے ''القاعدہ'' رکھا۔ سوال یہ ہے کہ عرب کی سرزمین سے چند نوجوانوں کے امریکہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے اسباب کیا تھے؟ ان عوامل کا اگر سراغ لگایا جائے تو بات امریکہ کی بدمعاشی اور دہشت گردی پر آ کر رک جاتی ہے اور دائروں کے اس سفر کے اختتام پر امریکہ کی خونخواری مسلمانوں کے سامنے منہ کھولے ہوئے نظر آتی ہے۔

جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ کی توسیع پسندانہ پالیسی اور انسانی حقوق کے تحفظ اور جمہوریت کے نام پر دنیا کے کمزور ملکوں کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے کے دل سوز واقعات کو سامنے رکھا جائے تو ان جارحانہ اقدامات کے تناظر میں اس بات کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں کہ دنیا میں جاری بدامنی اور دہشت گردی ''القاعدہ'' کی وجہ سے نہیں بلکہ امریکہ کی بدمعاشی اور شدت پسندانہ اقدامات کی وجہ سے ہے۔ القاعدہ اور دیگر عرب مجاہدین کے خلاف امریکی زبان بولنے والے محترم سیف الحق کو اگر امریکی جارحیت کے سیکڑوں سے زائد دل سوز واقعات کا علم نہیں تو تاریخ کے دریچے کھلے ہیں، ذرا ان میں جھانک کر تو دیکھیں تاکہ فرعونیت کی راہ اختیار کرنے والی امریکی تاریخ کا انھیں پتہ چل سکے۔

نائن الیون کے واقعہ کا الزام القاعدہ پر لگاتے ہوئے محترم سیف الحق اپنے خط میں یوں رقم طراز ہیں کہ ''اس کے بعد نائن الیون کا عظیم حادثہ پیش آیا جس کے منطقی نتیجے کے طور پر طالبان کی شرعی حکومت ختم ہوئی اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے اس حادثہ میں جو انیس پائیلٹ کریش ہوئے، وہ سب کے سب القاعدہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے جنہوں نے امریکہ میں آزادی کی وجہ سے امریکی فلائنگ کلب سے تربیت حاصل کی تھی''۔

یہ ایک ایسا الزام ہے جس کو ابھی تک مسلم تجزیہ نگار ماننے سے انکاری ہیں۔ واشنگٹن اور نیویارک میں اس تباہ کن ڈرامے کا ذمہ دار کسی مسلم گروپ کو ٹھہرانا یہودیوں کی پشت پناہی ہے۔ نائن الیون کا ڈرامہ کس نے رچایا؟ یہ سوال اب ایسا نہیں ہے جس کا جواب نہ ڈھونڈا جا سکے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کے یک طرفہ پراپیگنڈا کے باوجود ایسے ٹھوس شواہد سامنے آئے ہیں جنھوں نے اسرائیل کے خون آلود ہاتھوں سے دستانے اتار دیے ہیں۔ ایک خلیجی اخبار ''الوطن'' کے مطابق ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگون کی تباہی اور بربادی میں امن پسند عالم اسلام نہیں بلکہ یہودی لابی ملوث ہے۔ تفصیلات کے مطابق ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں چار ہزار سے زائد یہودی کام کرتے تھے۔ یہ کیسا حسن اتفاق ہے کہ گیارہ ستمبر کو ان چار ہزار یہودیوں میں سے

ایک بھی یہودی ڈیوٹی پر حاضر نہ ہوا! نائن الیون کا واقعہ رونما ہونے کے چند منٹ بعد ہی اسرائیلی وزیراعظم ایہود باراک ایک پہلے سے تیار شدہ انٹرویو دینے کے لیے بی بی سی پر کیسے آ گئے؟ علاوہ ازیں امریکی انٹیلی جنس کے ایک افسر نے حادثے سے چار ہفتے قبل جاری ہونے والی انٹیلی جنس رپورٹ کا حوالہ دیا ہے جو اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ یہ حملے اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کی کارروائی ہیں۔ مذکورہ افسر نے اپنا نام خفیہ رکھنے کی شرط پر اس میمو کا حوالہ دیا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ موساد امریکی سرزمین پر امریکہ کے خلاف کوئی خفیہ آپریشن کرے گی تاکہ دنیا میں مسلمان بدنام ہو جائیں۔ واشنگٹن ٹائمز نے انکشاف کیا تھا کہ پینٹا گون سے ٹکرانے والے ہوائی جہاز کا پائلٹ جارج برننگھم امریکی محکمہ دفاع کا سابق افسر تھا جس کو برخاست کیا گیا تھا۔ یہ پائلٹ جو کہ کٹر یہودی تھا، امریکی وزارت دفاع کے انسداد دہشت گردی کے شعبے میں کام کرتا تھا۔ اسی طرح تمام امریکی ایجنسیوں اور اداروں میں موساد کے کارکن موجود ہیں۔ ہر اسرائیلی کے پاس امریکی شہریت بھی ہے اور ہر امریکی یہودی اسرائیلی شہریت کا حامل ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ چار طیارے دیر تک اپنی پروازوں کی اصل سمت سے ہٹ کر خطرناک سمتوں میں پرواز کر رہے ہوں اور امریکی ملٹری اور سول ایوی ایشن کے ریڈار اور کنٹرول ٹاوروں کا سٹاف چپ بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہوں۔

ایک فوجی ماہر کے مطابق ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں جس وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی ہے، اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ سنٹر کے ٹاوروں میں، جن سے یہ طیارے ٹکرائے، پہلے سے آتش گیر اور دھماکہ خیز مواد رکھا گیا تھا اور یہ کام وسیع مہارت اور وسائل رکھنے اور امریکہ کے اندر رہنے والا کوئی گروپ ہی کر سکتا تھا جو اسرائیل کے بغیر دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک اطلاع کے مطابق اسرائیل نے اپنی جاسوسی تنظیم موساد کے ذریعے یہ حملہ کرایا۔ اس کا کوڈ 233ny تھا۔ اس کوڈ کو اگر wing ding کے fonts میں تبدیل کیا جائے تو جو الفاظ اور اشارات سامنے آتے ہیں، ان کا مفہوم یہ ہے: ''طیارے کو دو عمارتوں سے ٹکراؤ تاکہ لوگ مریں اور فتح یہود کی ہو''۔ یاد رہے کہ سابق وزیراعظم نیتن یاہو کا جب اپنے دور حکمرانی میں انتخابات کے معاملے میں صدر کلنٹن سے الجھاؤ پیدا ہوا تھا تو اس نے برملا دھمکی دی تھی کہ اسرائیل چاہے تو واشنگٹن کو آن واحد میں بھسم کر سکتا ہے۔

محترم سیف الحق صاحب ان تمام تر شواہد کے باوجود جو تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، وہی زبان استعمال کر رہے ہیں جو نائن الیون کے بعد امریکیوں اور یہودیوں کا ورد بن چکی ہے۔ اسرائیل کی خفیہ جاسوسی تنظیم موساد نے اپنے فرائض مستعدی کے ساتھ کیوں پورے کیے اور اس عظیم سانحہ کو برپا کرنے کا مقصد کیا تھا؟ صرف یہی کہ دنیا کی اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیا جائے اور فلسطینیوں پر اسرائیلی مظالم سے دنیا کی نظریں ہٹا دی جائیں۔ آج گردنیا میں موجود کش مکش کے تناظر میں دیکھا جائے تو اسرائیل اپنے مقصد میں کامیاب نظر آ رہا ہے۔ انتہا پسندی اور شدت پسندی کے کسی بھی معمولی واقعہ کو مسلمانوں ہی کے سر تھوپا جا رہا ہے جبکہ ہمارے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ حالات و واقعات سے اتنے بے خبر ہیں کہ ان تمام واقعات کا ذمہ دار خود اپنے مسلمان بھائیوں کو ٹھہرا رہے ہیں۔

ان گزارشات سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ محترم سیف الحق صاحب کے سامنے یہ باتیں ٹھوس دلائل کے ساتھ پیش کروں کہ دنیا میں موجود دہشت گردی کا ذمہ دار القاعدہ نہیں بلکہ خود امریکہ ہے اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعہ میں کسی مسلمان

گروپ کا ہاتھ نہیں بلکہ اسرائیل ملوث ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میری یہ معروضات الشریعہ کی وساطت سے محترم سیف الحق صاحب تک پہنچائی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا، آپ کا اور تمام امت مسلمہ کا حامی و ناصر ہو۔

سید عرفان اللہ شاہ ہاشمی
ایڈیٹر مجلّہ مصباح الاسلام
مٹہ مغل خیل، شب قدر، ضلع چارسدہ

(۴)

محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے مزاج بعافیت ہوں گے۔

ماہنامہ ''الشریعہ'' تقریباً مطالعہ میں رہتا ہے، لیکن مستقل خریدار نہ ہونے کی وجہ سے کچھ شمارے محرومیت کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ ماہنامہ الشریعہ کو میں ایک ایسی دعوت فکر سمجھتا ہوں جس کی آج کے مذہبی طبقہ کو اشد ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے ہم آج اس فکر و سوچ سے اتنے تہی دامن ہو چکے ہیں کہ بسا اوقات بلکہ آج کل اکثر اوقات سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ میری سوچ ناقص ہو سکتی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آج کے دور میں بے دینوں کی اصلاح سے کہیں بڑھ کر دین داروں اور مذہب پسند طبقہ کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہم نماز روزہ کے مسائل تو مسجد کے عام مولوی صاحب سے پوچھنا بھی لازمی سمجھتے ہیں، لیکن جہاد کے بارے میں ہمارے اپنے جذبات اور فیصلے اور خلوص بھری نادانی حتمی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ فکر عام کرنے کے لیے ہمت، وسائل اور قبول عام بخشے۔ آمین

محمد آفتاب عاصم
مدرس و معاون مفتی
جامعہ اسلامیہ، صدر راولپنڈی

ورلڈ اسلامک فورم کی ویب سائٹ

www.wifuk.org

کے عنوان سے قائم کر دی گئی ہے اور اس پر فورم کے مقاصد اور سرگرمیوں سے
متعلق معلومات کے علاوہ فورم کے سرپرست مولانا زاہد الراشدی
اور صدر مولانا محمد عیسیٰ منصوری کے مضامین و مقالات ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

مولانا زاہد الراشدی کا دورۂ برطانیہ

الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے ڈائریکٹر مولانا زاہد الراشدی نے برطانیہ جاتے ہوئے ۲۹/اپریل کو ایک روز کراچی میں قیام کیا اور انتہا کی مصروف دن گزارا۔

نماز فجر کے بعد جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن نارتھ کراچی میں درجہ تخصص فی الفقہ کے طلبہ کو ''اجتہاد اور اس کے ضروری تقاضے'' کے عنوان پر لیکچر دیا۔

گیارہ بجے جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل ٹاؤن میں درجہ تخصص فی الادب العربی کے طلبہ سے ''ادب وانشا کی اہمیت اور ضرورت'' پر گفتگو کی۔

نماز ظہر کے بعد دارالعلوم کورنگی کراچی کے درجہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے طلبہ کو ''دور حاضر میں دعوت اسلام کا عمومی تناظر اور اس کی ضروریات'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔

نماز مغرب کے بعد دارالعلوم کورنگی کراچی کی اسی کلاس کو ''اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر اور اسلامی تعلیمات'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔

نماز عشا کے بعد دارالعلوم کورنگی کراچی کے دورۂ حدیث کے طلبہ کی فرمایش پر دارالحدیث میں ان سے حدیث وسنت کی اہمیت پر گفتگو کی اور اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث سنائی۔

اس کے بعد دارالعلوم کے صدر مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم اور نائب صدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اور دیگر اساتذہ کے ساتھ رات کے کھانے میں شرکت کی اور مختلف امور پر باہمی تبادلہ خیالات کیا۔

۳۰/اپریل کو صبح دس بجے مولانا زاہد الراشدی پی آئی اے کے ذریعے کراچی سے لندن روانہ ہوگئے اور ۱۵ مئی ۲۰۰۸ تک برطانیہ میں قیام کیا اور مختلف شہروں میں احباب سے ملاقات کے علاوہ ورلڈ اسلامک فورم کے سالانہ اجلاس میں بھی شرکت کی۔

مولانا راشدی نے ۱۳ مئی کو ابراہیم کمیونٹی کالج وائٹ چیپل لندن میں ورلڈ اسلامک فورم کے زیر اہتمام ایک فکری نشست میں جبکہ اسی روز لندن ایسٹ لندن کی مرکزی جامع مسجد میں بنگلہ دیش کی دینی جماعتوں کے مشترکہ فورم ''بنگلہ دیشی مسلمز'' کی ایک نشست میں عورتوں کے بارے میں امتیازی قوانین کے خلاف عالمی مہم کے پس منظر پر گفتگو کی۔ بنگلہ دیش

میں ان دنوں عبوری حکومت کی طرف پیش کردہ ایک مسودہ قانون پر بحث جاری ہے جس میں وراثت میں لڑکے اور لڑکی کے حصے کو برابر قرار دے دیا گیا ہے اور بنگلہ دیش کے دینی حلقے اسے قرآن کریم کے حکم کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف احتجاجی مہم میں مصروف ہیں۔ لندن میں بنگلہ دیشی مسلمز کی یہ نشست اسی پس منظر میں تھی۔

اس کے علاوہ مولانا راشدی نے جامع مسجد اپٹن لین لندن، جامع مسجد صدام حسین برمنگھم، مرکزی جامع مسجد گلاسکو، جامع مسجد الفرقان گلاسکو، مدرسہ عربیہ اسلامیہ گلاسکو، جامع مسجد ابوبکر والسال، جامع مسجد فاروق اعظم فرملی، مدنی مسجد نوٹنگھم، مدنی مسجد بریڈفورڈ، جامع مسجد پلیشٹ گرو لندن، جامع مسجد ابوبکر ساؤتھال، جامع مسجد امدادیہ مانچسٹر اور جامع الہدیٰ شیفیلیڈ میں مختلف دینی اجتماعات میں گفتگو کی جبکہ جامعہ الہدیٰ نوٹنگھم میں طالبات اور اساتذہ کی نشست میں ''توہین رسالت اور آزادیٔ رائے'' کے عنوان پر تفصیلی خطاب کیا۔

مولانا راشدی نے ختم نبوت ایجوکیشن سنٹر برمنگھم میں حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی، حضرت مولانا سید نفیس الحسینی اور حضرت مولانا سید انظر شاہ کاشمیری کی وفات پر منعقد ہونے والی تعزیتی کانفرنس میں ان بزرگان دین کو خراج عقیدت پیش کیا اور دو ہفتے کی ان مصروفیات کے بعد ۱۶ مئی کو گوجرانوالہ واپس پہنچ گئے۔

ورلڈ اسلامک فورم کا سالانہ اجلاس

ورلڈ اسلامک فورم کی ورکنگ کونسل کا سالانہ اجلاس ۱۳ مئی ۲۰۰۸ء کو ابراہیم کمیونٹی کالج وائٹ چیپل لندن میں فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں پاکستان سے ورلڈ اسلامک فورم کے سرپرست مولانا زاہد الراشدی اور ڈھاکہ سے نائب صدر مولانا سلمان ندوی نے بھی شرکت کی جبکہ دوسرے شرکا میں سیکرٹری جنرل مولانا مفتی برکت اللہ، مولانا محمد اکرم ندوی، جناب مسرور احمد، رفعت لودھی، مفتی عبدالمنتقم سلہٹی، مفتی صدر الدین، مولانا محمد عمران خان جہانگیری، مولانا محمد حسن، مولانا شمس الضحیٰ، مولانا مشفق الدین، مولانا بلال احمد، جناب کامران احمد، مولانا عادل فاروقی، مفتی محمد عمیر، جناب محمد اصغر، جناب غلام قادر خان اور جناب الطاف احمد شامل ہیں۔

اجلاس میں گزشتہ سال کی رپورٹ پیش کی گئی جس میں بتایا گیا کہ:

۱۔ فورم کے تعارف اور کارکردگی پر مشتمل تفصیلی کتابچہ شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔

۲۔ ماہانہ فکری نشست تسلسل کے ساتھ جاری ہے جو ہر ماہ کے آخری ہفتہ کے روز شام چھ بجے ابراہیم کمیونٹی کالج میں ہوتی ہے اور اب تک (۱) شریعت کے بارے میں آرچ بشپ آف کنٹربری کے بیان اور اس پر مختلف حلقوں کا ردعمل (۲) وڈیو چینل کی ضرورت اور اس کے تقاضے (۳) بین الاقوامی قانون اور اسلامی قوانین کا تقابلی جائزہ کے عنوانات پر فکری نشستیں ہو چکی ہیں جبکہ ایک نشست حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کی تعزیت کے سلسلہ میں منعقد ہوئی جس میں دونوں بزرگوں کی خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

۳۔ مولانا عیسیٰ منصوری نے بھارت کی تیرہ ریاستوں کا دورہ کیا اور بیسیوں اجتماعات سے ورلڈ اسلامک فورم کے پروگرام اور اہداف کے حوالے سے خطاب کیا۔ مولانا زاہد الراشدی نے اگست ۲۰۰۷ء کے دوران دار الہدیٰ اسپرنگ فیلڈ

واشنگٹن امریکہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع اور انسانی حقوق پر پانچ تفصیلی لیکچر دیے جبکہ مولانا مفتی برکت اللہ نے پاکستان کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں فکری نشست سے خطاب کیا۔

۴۔ ورلڈ اسلامک فورم کی ویب سائٹ قائم کی گئی جو جناب محمد جعفر کی نگرانی میں www.wifuk.org کے عنوان سے کام کر رہی ہے۔

۵۔ برطانیہ، بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش میں ورلڈ اسلامک فورم کے باقاعدہ حلقے قائم ہو چکے ہیں جو فورم کے عنوان سے کام کر رہے ہیں جبکہ جنوبی افریقہ میں فورم کا حلقہ قائم کرنے کے لیے فورم کے نائب صدر مولانا سلمان ندوی اگلے ماہ وہاں جا رہے ہیں۔

۶۔ عالم اسلام کو درپیش مسائل اور حالات حاضرہ کے اہم عنوانات پر مولانا محمد عیسیٰ منصوری اور مولانا زاہد الراشدی کے مضامین روزنامہ جنگ لندن، روزنامہ پاکستان لاہور، روزنامہ اسلام کراچی، ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ اور دیگر جرائد میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوتے رہے اور اس سال کے دوران مختلف موضوعات پر دونوں راہ نماؤں کے ایک سو سے زیادہ مضامین شائع ہوئے۔

اجلاس میں اگلے سال کے لیے ورلڈ اسلامک فورم کی سرگرمیوں کا مندرجہ ذیل پروگرام طے کیا گیا:

۱۔ فورم کی سرگرمیوں اور حالات حاضرہ پر راہنمائی کے حوالہ سے ماہوار نیوز لیٹر جاری کیا جائے گا جو ویب سائٹ پر نشر کیے جانے کے علاوہ اہم حضرات کو بذریعہ ڈاک بھی بھجوایا جائے گا۔

۲۔ مولانا محمد عیسیٰ منصوری ہر ہفتہ کو شام چھ بجے ابراہیم کمیونٹی کالج میں علمائے کرام کو تاریخ اسلامی کے اہم ادوار کے حوالے سے لیکچر دیں گے جب کہ آخری ہفتہ کو حسب معمول ماہانہ فکری نشست ہوا کرے گی۔

۳۔ جنوری ۲۰۰۹ء کے دوران ڈھاکہ میں ''ساؤتھ ایشیا میں نئی نسل کی دینی و فکری راہنمائی کے تقاضے'' کے عنوان پر سیمینار ہوگا جس سے مولانا سید سلمان الحسنی الندوی (لکھنو) مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن) اور مولانا زاہد الراشدی (گوجرانوالہ) خطاب کریں گے۔

۴۔ وڈیو چینل کی ضروریات اور امکانات کا جائزہ لینے کے لیے جناب کامران رعد اور جناب عادل فاروقی پر مشتمل کمیٹی قائم کی گئی جس کی رپورٹ پر آئندہ پروگرام طے کیا جائے گا۔

۵۔ فورم کی دیگر سرگرمیاں معمول کے مطابق جاری رہیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانوں کے لیے شرعی احکام کے حوالے سے آرچ بشپ آف کنٹربری کے بیان کا خیر مقدم کرتے ہوئے حکومت برطانیہ پر زور دیا گیا کہ وہ اس پر منفی ردعمل کا اظہار کرنے کی بجائے مسلمانوں کے جداگانہ تہذیبی تشخص اور اقوام عالم کے مسلمہ حقوق کے حوالہ سے اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے۔ ایک قرارداد میں اقوام متحدہ پر زور دیا گیا ہے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی سطح پر قانون طے کیا جائے اور شر پسند عناصر کو مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی مذموم حرکات سے روکنے کے لیے مشترکہ اقدامات کیے جائیں۔ ایک قرارداد میں اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ عالم اسلام کے مسائل کے حل کے لیے

آزادانہ اور باوقار موقف اور حیثیت اختیار کرے اور فلسطین، عراق، افغانستان اور کشمیر جیسے مسائل کو حل کرانے کے لیے جرات مندانہ کردار ادا کرے، نیز اقوام متحدہ میں ویٹو پاور کے حصول اور انسانی حقوق کے چارٹر پر نظر ثانی کے لیے عالم اسلام کے مفاد اور معروضی حقائق کی بنیاد پر موثر پیش رفت کا اہتمام کرے۔

تین وقت نماز کی اجازت دینے کا فتویٰ

مشرق وسطیٰ میں گزشتہ تین ماہ سے علما کے مابین اس پر بحث جاری ہے کہ آیا ترکی سے جاری ہونے والا ایک حالیہ فتویٰ اسلامی قانون کے مطابق درست ہے یا نہیں۔ اس فتوے کے مطابق ۲۰۰۸ کے آغاز سے ترکی کے مسلمانوں کو اجازت ہوگی کہ وہ معمول کے پانچ اوقات کے بجائے صرف تین وقت نماز ادا کریں اور ایسا کرنے سے وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔ استنبول یونیورسٹی کی سائنٹفک کونسل کے رکن محمد نور دوغان نے یہ متنازعہ فتویٰ جاری کر کے نماز کے فریضے کو پانچ سے کم کر کے تین اوقات تک محدود کر دیا ہے۔ اس فتوے نے وسیع پیمانے پر ایک بحث کو جنم دیا ہے اور قدامت پسند علما نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اسلامی قانون کی رو سے لازم ہے کہ ایک مسلمان دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرے، البتہ اس بات کی اجازت ہے کہ بیماری یا سفر کی حالت میں دن میں تین اوقات میں نماز ادا کر لی جائے۔ تاہم حالیہ فتوے نے اس اختیار کا دائرہ وسیع کر دیا ہے اور اجازت دی ہے کہ مسلمان تین وقت نماز ادا کر سکتے ہیں، بالخصوص جب وہ (دفتری) کام یا کسی ذاتی مصروفیت میں بے حد مصروف ہوں۔

ترکی میں جاری بحث سے ملتی جلتی بحث مصر میں بھی چل رہی ہے جہاں اس فتوے کی کچھ حمایت سامنے آئی ہے۔ حیرت انگیز طور پر الاخوان المسلمون کے بانی حسن البنا کے بھائی جمال البنا نے ترکی سے جاری ہونے والے فتوے کی تائید کی ہے۔ انھوں نے ایک عرب نیوز ویب سائٹ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا دور جدید کی ایک ضرورت بن چکا ہے۔ جدید طرز زندگی کے دباؤ کی وجہ سے لوگ زیادہ تر صورتوں میں پانچ نمازیں ان کے مقررہ اوقات میں ادا نہیں کر پا رہے۔'' جمال البنا پر عام طور پر تنقید کی جاتی ہے کہ وہ اسلامی قوانین کی جدت پسندانہ تعبیر کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے پیروکاروں کو یہ اختیار دیا ہے اور اسے اس صورت میں استعمال کیا جا سکتا ہے جب نمازیں اپنے مقررہ اوقات میں ادا نہ کی جا سکیں۔ تاہم بعض لوگوں کی جانب سے فتوے کی تائید کے باوجود دوسرے لوگ دن بدن اس سے اختلاف کے اظہار میں بلند آہنگ ہو رہے ہیں۔ مصر کی سپریم کونسل فار اسلامک افیئرز کے رکن شیخ یوسف البدری نے ٹیلی فون پر اسلامک ٹائمز کو بتایا کہ وہ ترکی عالم کے استدلال کو مسترد کرتے ہیں کیونکہ سفر، بیماری، بارش یا حج کے علاوہ کسی اور وجہ سے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا درست نہیں۔ یہ بحث ابھی چل رہی ہے۔

(www.islamictimes.co.uk)

الشریعہ اکادمی میں ہفتہ وار نشست سے مولانا اللہ وسایا کا خطاب

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہ نما مولانا اللہ وسایا نے کہا ہے کہ دستور پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار

دینے والی دفعہ اور دیگر اسلامی دفعات کو چھیڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور اگر عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور نفاذ اسلام سے متعلقہ دستوری دفعات کو ختم کرنے یا غیر موثر بنانے کی کوشش کی گئی تو اس کے خلاف عوامی تحریک چلائی جائے گی۔ وہ ۲۰ ؍ اپریل ۲۰۰۸ کو الشریعہ اکادمی ہاشمی کالونی گوجرانوالہ کی ہفتہ وار فکری نشست سے خطاب کر رہے تھے جس کی صدارت اکادمی کے ڈائریکٹر مولانا زاہد الراشدی نے کی اور اس میں علمائے کرام، وکلا اور پروفیسر حضرات کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

مولانا اللہ وسایا نے جنرل پرویز مشرف کے آٹھ سالہ دور اقتدار میں قادیانیوں کی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور کہا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے اجماعی فیصلے اور پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر منظور شدہ دستوری ترمیم کو ماننے سے واضح انکار کے باوجود اس دوران قادیانی گروہ پاکستان میں پوری طرح متحرک رہا اور جنرل پرویز مشرف کی انتظامیہ ان کی پشت پناہی کرتی رہی۔ انھوں نے کہا کہ قادیانی گروہ اندرون ملک اور بیرون ملک اس بات کے لیے مسلسل متحرک ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے بارے میں دستوری فیصلے کو ختم کرایا جائے اور قادیانیوں کو اسلام کے نام پر اپنے مذہب کی تبلیغ سے روکنے والے قوانین کو غیر موثر بنایا جائے لیکن یہ دستوری اور قانونی فیصلے ملک کے عوام کی پر جوش تحریک اور ہزاروں افراد کی قربانیوں کے نتیجے میں ہوئے ہیں اور ملت اسلامیہ کے متفقہ عقائد کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لیے انھیں ختم کرنے کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی جائے گی اور اگر کسی نے ایسی کوشش کی تو اسے شدید عوامی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مولانا زاہد الراشدی نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عالمی سیکولر لابیاں دستور پاکستان کی ترامیم پر نظر ثانی کے نام پر قرارداد مقاصد، عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور وفاقی شرعی عدالت کے بارے میں دستوری دفعات کو ختم کرانا چاہتی ہیں اور اس کے لیے ہوم ورک کیا جا رہا ہے، اس لیے دینی قوتوں کو بیداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور تمام مذہبی جماعتوں اور مکاتب فکر کو تحریک ختم نبوت کے ایک نئے راؤنڈ کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔

الشریعہ اکادمی کے زیر اہتمام

دینی وعصری نظام تعلیم کے اہم پہلوؤں کے حوالے سے

جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی

(سابق صدر اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد)

کے فکر انگیز خطبات ومحاضرات کا مجموعہ عنقریب پیش کیا جا رہا ہے۔

o مرتب: سید عزیز الرحمٰن (مدیر شش ماہی السیرۃ) o